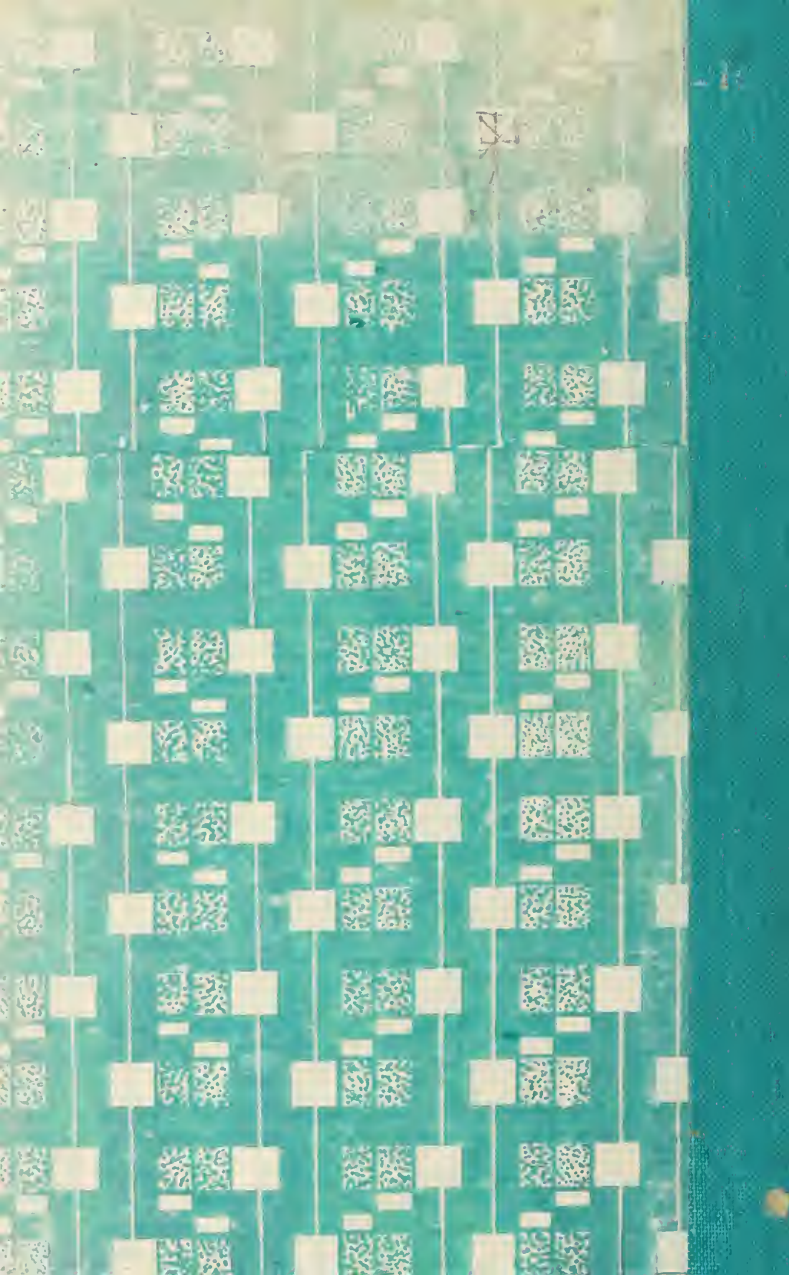




URDU



PK Shibli Nu'mani, Muhammad
2199 Majmu'ah kalam-i Shibli
S5A17
1920

PLEASE DO NOT REMOVE
CARDS OR SLIPS FROM THIS POCKET

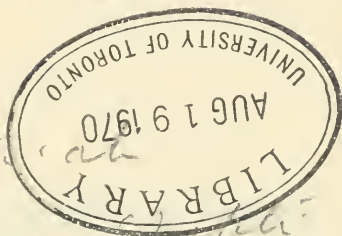
UNIVERSITY OF TORONTO LIBRARY

Rs
6/-

www.freepdfpost.blogspot.com

Shikhi, Hamāni
Muhammad

May 1970
Kalam - Shikhi



PK
2199
S5A17
1920

کلامِ شبنم

یعنی

جناب شمس العلی مولانا شبنم نعمانی کی نظموں کا گنجینہ اور تاریخی واقعات کا آئینہ

مغرب اکبرینی لاہور

کے

کریمچی پریس لاہور میں چھپا اولاد ہوئی شائع ہوا

قیمت ۱۰

Supplied by

MINAR BOOK AGENCY

Exporters of books & Periodicals

204, Ghadialy Building, Saddar

یادگارِ حسینؑ

اس جامع کتاب میں مرزا سلطان احمد صاحب اکڑ اسٹنٹ کمشنر نے
 سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی خدا پرستی - رضا جوئی - صبر اور انتقامت پر ہی
 فلسفیانہ بحث نہیں کی بلکہ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی صداقت اور حقیقت کے
 مقناطیسی اثر کو بھی نہایت خوش اسلوبی سے ثابت کیا ہے۔ مرزا صاحب
 موصوف نے واقعہ کربلا کو جس طرح بیان کیا ہے اسکی نظیر بہت کم ملتی ہے
 مصنف نے غیر مسلم تاریخ دانوں کے خیالات کو قلمبند کر کے واقعہ کربلا کی
 اصلیت اور سچائی پر روشنی ڈالی ہے۔ کتاب واقعہ کربلا کا صحیح فوٹو ہے جو
 نہایت موثر اور رلا دینے والے الفاظ میں کھینچا گیا ہے قیمت ۱۰ روپے

ملنے کا پتہ: مرغوب کتبسنی لاہور (چوک مٹی)



Maulana “ Shibli ”

www.freepdfpost.blogspot.com



فہرست مضامین

نمبر شا	مضمون	صفحہ
۱	فوطیہ مولینا شبلی (سوانح شبلی نعمانی)	۱
۲	عدل جہانگیری	۱۳
۳	خلافت فاروقی	۱۷
۴	مسادات اسلام	۲۰
۵	عدل فاروقی کا واقعہ	۲۳
۶	اظہار قبول حق	۲۶
۷	انحضرت کی عزبانوازی	۲۷
۸	ایشار کی اعلیٰ ترین نظیر	۲۹
۹	ہجرت نبوی	۳۱
۱۰	رسول خدا کا حلم	۳۲
۱۱	تعمیر مسجد نبوی	۳۶
۱۲	ہمارا طرز حکومت	۳۸
۱۳	اسلامی نظام	۴۰
۱۴	انصاف عمر رضا	۴۱
۱۵	تجزیہ و تفرقہ	۴۲
۱۶	تنزل اسلام کا سبب	۴۳
۱۷	جرات و صداقت	۴۷
۱۸	شفقت تکفیر	۴۹
۱۹	غریب یا سیاست	۵۰
۲۰	اھواز قوم و طفل سیاست	۵۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۵۵	منکرے بودن و ہمرنگ ستاں بریتن	۲۱
۵۷	خطاب بحضور والیسرائے	۲۲
۵۸	سادگی	۲۳
۵۹	جنگ زرگری	۲۴
۶۴	خطاب بہ احرار	۲۵
۶۵	جزر و مد	۲۶
۶۷	تماشائے عبرت	۲۷
۷۳	مسلم لیگ	۲۸
۷۷	سوٹ آئیبل سلف گورنمنٹ	۲۹
۷۷	مسلم لیگ	۳۰
۸۰	لیگ آف سوٹ آئیبل	۳۱
۸۳	رائٹ آف انریبل سید امیر علی سے خطاب	۳۲
۸۴	مسلم لیگ	۳۳
۸۶	مسلم اتحاد	۳۴
۸۷	یونیورسٹی اور الحاق	۳۵
۸۸	یونیورسٹی ڈیپوٹیشن	۳۶
۹۰	مسلم یونیورسٹی	۳۷
۹۳	یونیورسٹی	۳۸
۹۶	یونیورسٹی فوڈ لیشن	۳۹
۹۹	دعوت عمل	۴۰
۱۰۵	بربادی خاں	۴۱
۱۱۲	غزلیات	۴۲
۱۱۷	متفرقات	۴۳
۱۲۰	نالہ شبلی	۴۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سوانح شبلی نعمانی

مغربی رموز شناسان علم طبیعیات تحریر کرتے ہیں کہ مختلف عناصر کے تصادم اور متضاد اجرام مادیہ کی ٹکڑ سے وہ برق خاطف پیدا ہوتی ہے جو اپنے شرارہ فلک غمزوں سے شہیدانِ فوق کو مرغِ سہل کی طرح ترپاتی ہے۔ اور اپنی چشک ناز سے فریب خوردہ دلوں کو پرچاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ عقل کی عقل سے ٹکراؤ تمدن کا تمدن سے مقابلہ اس سے تیز تر بجلی پیدا کرتے ہیں جس کے درختِ دلعات پر خرمو سے صدعاً کی کئی روشن آیات صوفیائی لگتی ہیں۔

قرنِ ہسٹری میں یونانی عقل و نقل کی جب مذہبِ اسلام سہلی

چپقلش ہوئی تو ادھر تو ابن عطا اور خلدون کی برق ظلمت سوز
 نمودار ہوئی اور ادھر امام غزالی اور ابن رشد کی بجلی غارت گر باطل
 پر پیدار ہوئی اسی اصول سے جرمنی میں لیونگھرف پیدا ہوا۔ اٹلی میں کیمپر
 اور کوپر نیکس اور جب موجودہ دور میں نئے فلسفے نے بندہ میں رواج
 پایا تو شبلی مثال شعلہ جاں ہستیاں پیدا ہوئیں۔

ابھی سلطنت مغلیہ کی شمع عالم آرا اپنا آخری جوجن دکھا رہی
 تھی۔ اور اپنے دلدادوں کی جدائی پر آٹھ آٹھ آنسو بہا رہی تھی۔
 شب عیش کے سر سے بادہ عشرت کا خمار اتر رہا تھا۔ ہندوستان کا
 آسمان سحابِ ارغوانی سے لالہ پوش تھا۔ اور ہر رگ خون کے
 عنابی توارے کی دھار سے گرد و بن کہن سال رنگیں قبا تھا عذر
 کی پھلچڑیوں سے دامنِ فلک آتش اندوز تھا۔ یا خونِ خلائق کی
 سرخی سے آسمان کے ماتھے پر قشتہ کھینچا گیا تھا۔ یا اس خورشید
 علم و ادب کی آمد میں شفقِ نو میں رنگِ پھول رہی تھی۔ جو بندوں کے
 قصبے میں جلوہ فگن ہوا۔ اور اپنے رخ پر نورِ سلطنت کدہ ہند کو روشن
 کر گیا یعنی وہ شبلی پیدا ہوا جو ابوالفضل بھی تھا فیضی بھی مہتممی بھی تھا۔

غزالی بھی جس کی آمد پر اگر آسمان سے لعل و منبر سے تازیان
میں یا قوتِ آتشیں چمکے +

مولانا سہلہ کے پر آشوب ایام میں ہندول کے قصبے میں جو
اعظم گڑھ کے ضلع میں ہے پیدا ہوئے۔ آبکا گھرانہ بڑا باغیت اور
صاحبِ ثروت تھا۔ ابتدائاً والدین کی نگرانی میں تعلیم و تربیت شروع
ہوئی اور مولوی شکر اللہ صاحب نانوی سے پہلا سبق پڑھا۔ فارسی
لمعات نے گوہرِ جان کو تاج بندہ کیا اور پہلے اسی کے درمیں کوآویز
گوش بنایا پھر عربی کی چاشنی کی طرف لپکے اور اس شرابِ طہوں کی
خاطر غازی پور کے چیمبر شیری پر پہنچے اور مولوی محمد فاروق سے
شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ مولانا غازی پور کے مدرسے کے صدر تھے۔
اور مولانا عنایت الرسول چڑیا کوٹی کے برادر کو چپک کچھ عرصہ رہ کر
فلسفہ اور ادب کے اس آخری گلِ رعنا کی بھیجی بھیجی خوشبو سے
مشامِ جاں کو عطر آگئیں بنایا۔ مولانا کو اپنے شاگرد سے نہایت ہی
محبت تھی۔ چنانچہ اپنے آپ کو شیر اور شاگرد کو بچہ شیر کہا کرتے
چنانچہ ایک موقع پر فرمایا اَنَا اسَدٌ وَأَنْتَ شَبَابٌ شَاغِرٌ کو ہر منظر میں

ساتھ رکھتے اور حریف سے دو چار جھپٹ دیکھ کر خوش ہوتے رہیں۔
 کے بعد مولانا شبلی رام پور تشریف لے گئے۔ اور مولانا عبدالحق خیر آبادی
 کے آستان پاک پر جبین عجز کو گھسایا۔ اور بیت العلوم کی خاک
 کو آنکھوں کا کاجل بنایا۔ بھلا مولانا محمد قاروق کے پروردہ علم و
 فضل کو یہیں کیا زیادہ مل سکتا تھا۔ کوئی گوہر نظر نہ آیا کہ جس کی
 خواہش میں نقد جان کو قربان کر دیتے۔ خیر مولانا ارشاد حسین سے
 فقہ کی چند کتابیں پڑھ لیں۔

بعد ازاں ادب کی تکمیل کے لئے لاہور روانہ ہوئے اور مولوی
 فیض الحسن کے در دولت پر صدادی مولوی فیض الحسن کی فضیلت
 کا آوازہ چار دانگ عالم میں بٹھا۔ آپ اس وقت علم اللسان کے
 تنہا جوہری تھے۔ عاشق علوم کو یہ موقع غنیمت تھا۔ مولانا سے
 حماسہ کا درس لیا۔

وہاں سے روانہ ہوئے اور سہارنپور کے شاداب خٹہ میں
 پہنچے۔ اور مولوی احمد علی کے اباؤ حدیث کو زیر بنایا۔ اس
 سادہ منش انسان سے سادگی طرز کا وہ سبق سیکھا کہ تادم زیست

استاد کے نام کو زینت صفت و ثنا کے کلمات سے سجایا کرے۔

ابھی ترمذی کا درس جاری تھا کہ اغرہ و احباب عازم حج ہوئے۔ عاشق رسول نے سوچا کیا خوب ہو اگر۔

رُوئے بکوعے حرم و سر بر آستان گئی غبار خاکِ رش تو تباہِ دیدہ کنی
عالی مرتبہ استاد سے اجازت طلب کی۔ کاروانِ حج کو روانہ ہوا فریضہ حج ادا کیا۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ پہنچے۔ دربار رسول معلّم میں داخل ہوئے اور عاشقانہ حالت میں ایک قصیدہ اور فارسی قطعہ انشا فرمایا۔ دینی و دنیوی شہرت کو انعام میں پایا چونکہ مولانا محمد نارق کی تعلیم آپ میں اثر کر چکی تھی۔ دورانِ قیام مدینہ میں حنفیت کی کتب کا خاص طور سے مطالعہ فرمایا۔

اب آپکی زندگی کا پہلا دور ختم ہو چکا تھا۔ اس وقت آپکی عمر بیس برس کی تھی۔ وہ سرد و در شروع ہوا۔ دل میں ایک شرارہ تھا جو بھڑک اٹھا۔ شعر و شاعری کا چمکا لگا۔ لکھنؤ اور دیگر اطراف و اکناف کے بزرگوار موجود تھے۔ مشاعرے ہوتے تھے۔ فطری شاعری کو خوب موقع ملا۔ بڑی دلچسپی ظاہر کی کئی دفعہ مسندِ صدارت کو

زینت بخشی۔ اور انہیں دنوں غیر مقلدوں کے خلاف چند
رسائل بھی لکھ ڈالے۔ ابھی سلسلہ تعلیم جاری تھا کہ کسب معاش
کا خیال ہوا۔ زمینداری کا کام سپرد ہوا۔ مگر کتاب کا دھتی اس
سے عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ لاچار دکالت کی طرف باگ پھیری اور
آیائی۔ پیشے کو نیک خیال کیا دکالت کا امتحان پاس کیا مگر
قانون میں طبیعت نہ چلی۔ دونوں کو واسطہ ہی کیا تھا۔ دکالت
چھوڑ ملازمت اختیار کی۔ یہاں بھی کٹھن منزلوں سے گھبرا گئے
وہ بدہ چکر لگانے سے تنگ آ گئے۔ آخر اس سے بھی دل کھٹا ہوا
ہاشف غیب نے صد ادی کہ شبلی تو تو کسی اور کام کے لئے پیدا
ہوا ہے۔ چنانچہ مطالعہ کتب شروع ہوا اور بکسل خیال نے شاخ
کہن پر آشیاں بنایا۔ چند قصائد اور رسائل تحریر کیئے جو
مقبول عام ہوئے۔ سنین الاسلام زیر مطالعہ تھی۔ کہ اپنے بھائی
عہدی سے علی گڑھ ملتے گئے۔ آپ کی عمر کے اس وقت ۲۵ سال
گزر چکے تھے۔ وہاں سرسید کے بوڑھے غمزدوں نے ایسا پھانا
کہ غسل مصفا سے گس آبگین کا چھٹنا محال ہو گیا۔ رفرشاس

پیر مرد تار گیا کہ نوجوان کے سینے میں بہت سے لعل درخش
مدفون ہیں۔ جنگی تاب سے ناصیہ غزہ چمک رہا ہے۔ سرسید
کے کہنے پر عربی اور فارسی کے پروفیسر مقرر ہو گئے اور اسی عہد
مولانا حالی سے بھی شرفِ ملاقات حاصل کیا۔

سین اسلام کا نقشہ آنکھوں میں بس رہا تھا۔ قومی درد
تیز ہوا اور دل کا درد چند تاریخی رسائل اور قومی نظموں میں نکلا
جنہیں الخیر اور کتب خانہ اسکندریہ قابلِ غور ہیں۔ مثنوی صبح
نے یاس بھری جانوں کو امید کا پانی پلایا۔ تاریخ کا ابرِ مطہر تلا
کھڑا تھا۔ کبھی چاہتا تھا کہ بلادِ اسلامیہ کے چھینٹوں سے تر کر کے
یا تاریخِ نبی الیاس کے تقاطر سے بھگو دے۔ آخر چاہا کہ ناموں
اسلام کے موسلا دھار مینہ سے جل مقل کر دے۔ المامون کا
پہلا قطرہ ٹپکا۔ صدفِ عالم نے گوہرِ نایاب کو آغوشِ شوق میں
لیا اور سنبھال کر رکھا۔ اس کے بعد کانفرنس میں رسائل
لکھ کر روانہ کئے۔ جو آج تک رسائلِ شبلی کے نام
سے مشہور ہیں۔

سیرۃ النعمان کا خیال گذرا شبِ نیرِ قلم رہ سپرِ سوا۔ اور منزل
مقصود پر جا کر دم لیا۔ الفاروق کا خیال دامن گیر تھا۔ کہ بلادِ ہند
کا سفر درپیش ہوا۔ ارنلڈ صاحب کی معیت میں قسطنطنیہ
پہنچے۔ وہاں سے ایشیائے کوچک اور شام ہوتے ہوئے مصر
آئے حقیقت میں آنکھ نے جن جن عجائبات کی سیر کی تھی خامہ
مقصود نے انکا پورا پورا فوٹو سفرنامہ میں پیش کر دکھایا۔ چھ مہینے
کے سفر کے بعد ۱۸۹۳ء میں علی گڑھ پہنچے ایک قصیدہ پڑھا جسکا
آغاز اس طرح ہے

قاصد خوشخبر امروزی نو ساز آہ	کز سفر بار سفر کردہ ماباز آہ
از سفر شبی آزادہ بہ کالج برسید	یا نگر بلبل شیراز بہ شیراز آہ
دوستاں مژدہ کہ آن بلبل غنچ لہر زگر	اندریں نازہ چمنِ زمزمہ پر داز آہ

سفر میں سلطان ٹرکی نے تمنہ مجیدہ عنایت فرمایا ۱۸۹۴ء
میں رائل ایسٹ انک سوسائٹی کے ممبر مقرر ہوئے۔ کالج کی زندگی
سے تھک گئے۔ کئی بار استعفا دیا مگر بیک صاحب نے نامنظور
فرمایا۔ آخر ۱۸۹۴ء میں کالج سے علیحدہ ہو گئے۔ وہاں سے اعظم گڑھ

روانہ ہوئے۔ مگر علالت طبع نے عین نہ لیتے دیا۔ کئی روانہ
ہوئے۔ الفاروق زیر تالیف تھی۔ بیماری نے اتنا زور پکڑا
کہ قلم اٹھانا بھی دیکھ نہ سکیا۔ خدا خدا کر کے صبح کے آثار ظاہر ہوئے
مولانا حالی نے ایک تہنیت نامہ ارسال کیا۔ جس کا مطلع
ذیل ہے۔

بیت الحمد پس از ناخوشی رنج و راز شبلی با بھاداز سر بالیں خواست
الفاروق کے چھپتے ہی آپکی تاریخ دانی کا سکہ عالم پر بیٹھ گیا
مختورے عرصہ بعد مولانا سید علی بلگرامی کے ایمان سے حید آباد
کی نظارت علوم و فنون قبول فرمائی۔ اور جنوبی ہندوستان کی
تنہا تصویر سوز و شمع جانگداز پر پروانہ صفت جا پہنچے۔
اس جگہ مولانا کے قلم سے۔ الغزالی۔ سوانح رومی۔ علم الکلام۔
الکلام۔ موازنہ انیس و دسیر کی نازک بدن۔ پتلیاں رقصاں
اور خنداں نکلیں اور بڑے ناز سے محفل اردو میں داخل ہوئیں۔
انہیں ایام میں امیر عبد الرحمان خاں والی دولت خداداد افغانستان
نے ایک محکمہ تراجم قائم کیا اور مولانا سے درخواست کی کہ

تشریف لائیں۔ لیکن مولانا نے جانے سے انکار کر دیا۔

۱۸۹۱ء سے آپ کا تعلق ندوہ سے ہو گیا۔ ندوہ کا خیال مولوی محمد علی کانپوری اور دیگر ارباب ذکا کی تیزی طبع کا نتیجہ ہے۔ اس خیال سے کہ علماء کی اصلاح۔ اسلام کی اصلاح ہے۔ آپ فوراً دوسرے جلسے میں شریک ہو گئے۔ اور ایک اعلیٰ پائے پر اسکی اسکیم مرتب کی۔ ندوہ کی خدمات محتاج بیان نہیں۔ اس موقع پر مولانا نے پختہ فضل کے پختہ میوے پیش کئے۔ شعر العجم۔ مقالات شبلی۔ مضامین عالمگیر۔ دیوان فارسی نے اپنی جلالت سے کام چھل کو شیریں بنایا۔ ۱۸۹۵ء میں اڈنبرا مسلم سوسائٹی کے صدر مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۱ء میں خسرو دکن نے اپنا وظیفہ سٹور پیس کی بجائے تین سٹور پیس ہا موار مقرر فرمایا۔ ان ایام میں ملکی معاملات میں گہری دلچسپی ظاہر کی۔ اور نیٹل کانفرنس میں شریک ہوئے۔ قانون وقف علی الاولاد کے معاملہ کو پریوی کونسل تک پہنچایا۔ اشاعت اسلام کی ایک عظیم الشان اسکیم تیار کی مگر ناکام رہے۔ سلطان ٹرکی کی طرف سے آپ کا نام نامی مدینہ یونیورسٹی کے

و انھیں نصاب میں داخل کیا گیا۔ اسی اشار میں کاروبار کی زیادتی سے طبیعت کسل مند ہوتی گئی۔

ابھی ایک چنگاری گوشہ دل میں مستور تھی جس کی حرارت سے درد مند دل کو رشکِ طور ہونا تھا۔ پیارے بنی کے پیارے حالات لکھنے شروع کئے اور سیرۃ النبی کی پہلی جلد چھپ کر تیار ہوئی۔ ابھی مرغِ جان چیدہ چیدہ ذراتِ زیریں چن ہی رہا تھا کہ فرشتہ غیب نے آواز دی۔ بس شبلی۔ خرمن سے دانہ اور سمند سے قطرہ ہی غفلت مندوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔ تو بھلا ان آن گزشت موتیوں کو کس طرح جمع کر سکتا ہو جس نور کی یہ کرنیں ہیں اس نور کے دیکھنے کی تمنا ہو تو چل میرا تہ چل۔ عاشقِ جان روانہ ہوئی۔

۸۔ نومبر ۱۹۱۲ء کو دنیہ کو پھوڑا اور بہشت کو آبا د کیا۔

إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

منتظر آنکھیں سیرۃ کی تکمیل دیکھتی رہ گئیں۔

اشکِ پیہم سے دامنِ عالم تر ہوا۔ شبلی کی دفات سے دنیا میں کہرام مچ گیا۔ ہندوستان۔ مصر۔ جرمن۔ انگلستان

میں ماتم ہوا۔ کسی نے کہا۔ کہ تاریخ کا تنہا جوہری چل بسا۔ تاریخ
 شاعری کا موجد کوچ کر گیا۔ علم کلام کا عقاب آشیانہ بھنق
 خالی چھوڑ گیا۔ انشا پرداری کا شہسوار غائب ہو گیا۔ نہیں
 وہ آفتاب جو ہنگامہ شروق کی سرخی میں نمودار ہوا تھا۔
 محار یہ مغرب کی لالہ کاری میں غروب ہو گیا۔

غلام عباس۔ ایم۔ اے

کلام شبلی

عدلِ جہانگیری

قصر شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گزر،
 ایک دن، نورِ جہاں، بام پہ تھی جلوہ فگن،
 کوئی شامت زدہ رہ گیا اُدھر آ نکلا
 گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف سے قدغن،
 غیرتِ حسن سے بیگم نے طمنچہ مارا
 خاک پر ڈھیر تھا اک شتہ بے گور و کفن،
 ساتھ ہی شاہ جہانگیر کو پہنچی جو خبر
 غیظ سے آگے ابروئے عدالت چشمن
 حکم بھیجا کہ کنیزانِ شہستان شہی

جا کے پوچھ آئیں کہ سچ یا کہ غلط ہے یہ سخن
 نخواستِ حسن سے، بیگم نے بصد تاز کہا
 ”میری جانب سے کرو عرض یہ آئیں حسن“
 ہاں! مجھے واقعہ قتل سے انکار نہیں
 مجھ سے ناموس حیا نے یہ کہا تھا کہ زن
 اُس کی گستاخ نگاہی نے کیا اس کو ہاک
 کشورِ حسن میں جاری ہو یہی شرع کہن
 مفتی دین سے جہانگیر نے فتوے پوچھا
 کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن
 مفتی دین نے یہ بیخوف و خطر صاف کہا
 شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اڑادو گزین
 لوگ دربار میں اس حکم سے تھرا اٹھے

پر جہانگیر کی ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن،
 ترکوں کو یہ دیا حکم کہ اندرجبار،
 پہلے بیگم کو کریں بستہ زنجیر و سن
 پھر اسی طرح اُسے کھینچ کے باہر لائیں
 اور جتلا د کو دیں حکم کہ ہاں تیغ بزن
 یہ وہی نور جہاں ہے کہ حقیقت میں یہی
 تھی جہانگیر کے پردہ میں شہنشاہِ زمن
 اس کی پیشانی نازک پہ جو پڑتی تھی گرد
 جا کے بن جاتی تھی اور اہق حکومتِ پشکن
 اب نہ وہ نور جہاں ہے نہ وہ اندازِ غور
 نہ وہ غمزنے ہیں نہ وہ عریضہ صبر شکن
 اب وہی پاؤں ہر اک گام پہ تھراتے تھے

جن کی رفتار سے پامال تھے مُرغانِ چمن،
 ایک مجرم ہے کہ جن کا کوئی حامی نہ شفیع
 ایک سبکیں ہے کہ جس کا نہ کوئی گھنہ وطن
 خدمتِ شاہ میں بیگم نے یہ بھی پیغام
 خوں بہا بھی تو شریعت میں ہوا اک احسن
 مفتی شرع سے پھر شاہ نے فتوے پوچھا
 بولے جائز ہے رضا مند ہوں گر بچہ وزن
 وارثوں کو جو دئے لاکھ درم بیگم نے
 سب نے دریا ریں کی عرض کئے شاہِ زمیں
 ہم کو مقتول کا لیتا نہیں منظور قصاص
 قتل کا حکم جو رک جائے تو ہے مستحسن
 ہو چکا جبکہ شہنشاہ کو پورا یہ یقین

کہ نہیں اس میں کوئی شائبہ حیلہ و فن
 اُٹھ کے دربار سے آہستہ چلا سوائے حرم
 تھی جہاں نور جہاں معتکف بیتِ حزن
 دفعتاً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہہ
 تو اگر کشتہ شدی آہ چہ میگردم من

خلافتِ فاروقی

عام الزامہ کہتے ہیں جس کو عرب میں لوگ
 عہدِ خلافتِ عمری کا وہ سال تھا
 اُس سال قحطِ عام تھا ایسا کہ ملک میں
 لوگوں کو بھوک پیاس سے جینا محال تھا
 پانی کی ایک بوند نہ ٹپکی تھی ایر سے
 ہر خاص و عام سخت پر اگندہ حال تھا
 اعراب کی بسرِ حشراتِ زمیں پہ تھی

سب اٹھ گیا جو فسق حرام و حلال تھا
 تشویش سب سے بڑھ کے جنابِ عمر کو تھی
 ہر دم اسی کی فکر۔ اسی کا خیال تھا
 تدبیر لاکھ کی تھی مگر رک سکا۔ نہ قحط
 گواہِ نظمِ ملک میں اُن کو کمال تھا
 معمول تھا جنابِ عمر کا۔ کہ متصل
 کرتے تھے گشت۔ رات کو۔ سو نامحال تھا
 اک دن کا واقعہ ہے کہ پہنچے جو دشت میں
 کوسوں تلکِ زمین پہ خمیوں کا جال تھا
 بچے کئی تھے ایک ضعیف کی گود میں،
 جن میں کوئی بڑا تھا۔ کوئی خرد سال تھا
 دیکھا جو اُس کو یہ کہ پکاتی ہے کوئی چیز
 جاتا رہا جو طبعِ حزیں پر۔ ملال تھا،
 سمجھے کہ اب وہ ملک کی حالت نہیں رہی
 کم ہو چلا سے فحط کا جو اشتعال تھا

پوچھا خود اُس سے جا کے تو روئے لگی کہ آہ
 کیا آپ کو غذا کا بھی یاں اُتھال تھا
 بچے یہ تین دن سے تڑپتے ہیں خاک پر
 میں کیا کہوں زبان سے جو ان کا حال تھا
 مجبور ہو کے اُن کے پہننے کیلئے
 پانی چڑھا دیا ہے، یہ اُس کا اُبال تھا
 ان سے یہ کہہ دیا ہے کہ اب مطمئن رہو
 کھانا یہ پک رہا ہے۔ اسی کا خیال تھا
 بے اختیار رولے لگے حضرت عمرؓ
 بولے کہ یہ مرے ہی کئے کا وبال تھا
 جو کچھ کہ ہے یہ سب ہے مری شامتِ عمل
 از بس گناہگار مرا بال، بال، تھا
 بازار جا کے لائے سب اسباب آفتان
 جو زخمِ قحط کا سبب اندام تھا
 چولہے کے پاس بیٹھ کے خود بھونکتے تھے آگ

چہرہ تمام آگ کی گرمی سے لال تھا
 بچوں نے پیٹ بھر کے جو کھایا تو کھل اُٹھے
 ایک ایک اتو فرط خوشی سے نہال تھا
 تھی وہ زین ضعیف سر پایا زبان شکر
 یاں حضرت عمر کو وہی انفعال تھا۔
 غمزدہ عمر کو یہ جو ملا۔ تجھ سے چین کر
 جو کچھ گذر رہا ہے یہ اُس کا وبال تھا

مساواتِ اسلام

بدر میں معمر کہ آرا جو ہوا شکر کفر
 عتبہ بن ربیعہ تھا امیر العسکر
 سب سے پہلے وہی میدان میں ہاتھ بکف
 ساتھ اک بھائی تھا اور بھائی کے پہلو میں سر
 اس طرح لسنے منار ز طلبی کی۔ پہلے

مرد میدان کوئی تم میں ہو تو نکلے باہر
 سُنکے یہ لشکرِ اسلام سے نکلے پیہم
 تین جانبا ز کہ ایک ایک تھا اس کا ہمسر
 سامنے آئے جو یہ لوگ تو عتبہ نے کہا،
 کس قبیلہ سے ہو گیا ہے نسب جھوٹا؟
 بولے، ہم وہ ہیں کہ ہے نام ہمارا انصار
 ہم میں شیدائی اسلام ہے ہر فرد بشر
 جان تثارِ ابنِ رسولِ عربی ہیں ہم لوگ
 اک اشارہ ہو تو ہم کٹکے رکھ دیتے ہیں سر
 بولا عتبہ، کہ بجا کہتے ہو۔ جو کہتے ہو،
 مگر افسوس کہ معزور ہے اولادِ مفسر
 تم سے لڑنا تو ہمارے لئے ہے مایہ عار
 کہ نہیں تیغِ قریشی کے سزاوار میر
 کہہ کے یہ سرورِ عالم سے کیا اُسے خطا
 اے محمدؐ! یہ نہیں شیوہ اربابِ ہنر

جنگِ ناجنس سے معذور ہیں ہم آلِ قریش

بکھج انکو جو ہوں رُتبے میں ہمارے ہمسر

آپ کے حکم سے انصار پھر آئے صف میں

حمزہ و حنیث درِ گرار نے لی تیغ و سپر

اُن سے عتق نہ جو پوچھا نسب و نام و نشان

بولے یہ لوگ کہ ہاشم کے ہیں ہم بختِ جگر

بولاعتب بہ کہ نہیں جنگِ سیاب ہم کو گریز

آؤ اب تیغِ قریشی کے دکھائیں جو ہسر

یابہ حالت تھی کہ تلوار بھی تھی طالبِ کفو،

یا مساوات کا اسلام کے پھیلا یہ اثر،

بارگاہِ نبوی کے جو موزن تھے، ہلال،

کرچکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر

جب یہ چاہا کہ کریں عقدِ مدینے میں کہیں

جائے انصار و مہاجر سے کہا یہ کھل کر،

میں غلامِ حبشی، اور حبشی زادہ بھی ہوں

یہ بھی سن لو کہ مرے پاس نہیں دولت زر
 ان فضائل پہ مجھے خواہش تزیج بھی ہے
 ہے کوئی جس کو نہ ہو میری قرابت سے حذر
 گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور
 جس طرف اُس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر
 عہدِ فاروق میں حیدر کہ ہوئی اُنکی وفات
 یہ کہا حضرت فاروق نے بادیدہ تر
 اٹھ گیا آج زمانہ سے ہمارا آقا
 اٹھ گیا آج نقیبِ حشمِ پیغمبر

عدلِ فاروقی کا واقعہ

ایک دن حضرت فاروق نے منبر پر کہا
 میں تمہیں حکم جو گچھ دوں تو کرو گے منظور
 ایک نے اُٹھکے کہا یہ کہ ”نہ مانینگے کچھی“

کہ ترے عدل میں ہم کو نظر آتا ہے فتور
 چادر میں مالِ غنیمت میں جواب کے آئیں،
 صحنِ مسجد میں وہ تقسیم ہوئیں سب کے حلقہ
 ان میں ہر ایک کے حصہ میں فقط ایک آلی
 تھا تمہارا بھی وہی حق کہ یہی ہے دستور
 اب جو یہ جسم یہ تیرے نظر آتا ہے لباس
 یہ اُسی لوٹ کی چادر سے بنا ہو گا ضرور
 مختصر تھی وہ ردا اور تراقی رہے دراز
 ایک چادر میں ترا جسم نہ ہو گا ستور
 اپنے جھٹے سے زیادہ جو لیا تو نے تو اب
 تو خلافت کے نہ قابل ہے نہ ہم ہیں مامور
 گرچہ وہ حد مناسب سے بڑھا جاتا تھا
 سب کے سب مہر بہ لپٹے چہ اناٹ و چہ کور
 روک دے کوئی کسی کو ایہ نہ رکھتا تھا مجال
 نشہ عدل و مساوات میں سب تھے مخمور

اپنے فرزند سے فاروقِ معظم نے کہا
 تم کو ہے حالتِ صہلی کی حقیقت پہ عسبِ
 تم ہی دے سکتے ہو اس کا مری جانے جو اب
 کہ نہ پکڑے مجھے محشر میں مرارتِ غفور
 بولے یہ ابنِ عمر سب سے مخاطب ہو کر
 اس میں کچھ والدِ ماجد کا نہیں جرم و قصور
 ایک چادر میں جو پورا نہ ہوا ان کا لباس
 کر کے اس کو گوارا نہ مری طبعِ غفور
 اپنے حصہ کی بھی میں نے انہیں چادر دیدی
 واقعہ کی یہ حقیقت ہے کہ جو تھی مستور
 نکتہ چیں نے یہ کہا اٹھکے کہ ہاں اے فاروق
 حکم دے ہم کو کہ اب ہم اُسے مانینگے ضرور



اظہار وقبول حق

وارثِ عدل ہیمیر عمر ابن الخطاب،

پیچ تھی جنکے لئے منزلت تاج و کسیر

مجمع عام میں لوگوں سے انھوں نے یہ کہا

نہر باندھو نہ زیادہ کہ ہے یہ کبھی تبذیر

جس قدر تم کو ہو مقدور وہیں تک باندھو

حکم یہ عام ہے سب کو امر اہوں کہ فقیر

ایک بڑھیا نے وہی لوگ فوراً یہ کہا

تجھ کو کیا حق ہے جو کرتا ہے تو ایسی تقریر

صاف قرآن میں قنطار کا لفظ آیا ہے،

تجھ کو کیا حق ہے کہ اس لفظ کی کر دے تعبیر؟

لاکھ تک بھی ہو تو کہہ سکتے ہیں اس کو قنطار

تھا یہ اک وزن کہ اس وزن کی یہ ہے تعبیر

سرنگوں ہو کے کہا حضرت فاروقؓ نے آہ!
میں نہ تھا اس سے جو واقف تھے یہ میری تعمیر

آنحضرت کی غربانوازی

افلاس سے تھا سیّدہ پاک کا یہ حال
گھر میں کوئی کینیز نہ کوئی غلام تھا،
گھس گھس گئی تحقیق ہاتھ کی دونوں مٹھیاں
چلتی کے پیسے کا چودن رات کام تھا

سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تحقیق بار بار
گو نور سے بھرا تھا۔ مگر نیل فام تھا
اٹ جاتا تھا لیا بس مبارک غبار سے
جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا

آخر گئیں جناب رسول خداؐ کے پاس
یہ بھی کچھ اتفاق کہ وہاں افرین عام تھا

محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض،
 واپس گئیں کہ پیاس حیا کا مقام تھا
 پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضورؐ نے
 کل کس لئے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا؟
 غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ نہ کہہ سکیں
 حیدرؐ نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا؟
 ارشاد یہ ہوا کہ غریبان بے وطن،
 جن کا کہ صفہ نبویؐ میں قیام تھا،
 میں ان کے بند و بست سے فارغ نہیں ہوں
 ہر چیز اس میں خاص مجھے اہتمام تھا،
 جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گزرتی ہیں،
 میں اس کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا،
 کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہوں ان کا حق،
 جنگو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا،
 خاموش ہو کے سیدہ پاک رہ گئیں

جرات نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا،
یوں کی ہر اہلیتِ مطہر نے زندگی،
یہ کیا ماجرا ہے دخترِ خیر الانام تھا،

ایشمار کی اعلیٰ ترین شرط

کافروں نے یہ کیا جنگ اُحد میں مشہور
کہ ہمیں بھی ہوئے گشتہ شمشیرِ دودم،
ہوئے کے مشہور بدینہ میں جو پہنچی خیمہ
سرگلی کوچہ تھا ماتم کدہ حسرت و غم
ہوئے بیتاب گھروں سے نکل آئے باہر
کو رک و پیر و جوان و خدم و خیل و چشم
وہ بھی نکلیں کہ جو تھیں پر و نشینانِ عفاف
جن میں تھیں سیدہ پاک بھی بادیہ نم
ایک خاتون کہ ایشمارِ نکو نام سے تھیں

سخت مضطر تھیں نہ تھے ہوش و حواس انکے ہم
 موقع جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا
 کیا کہیں تجھ سے کہہتے ہو کثرتِ ہین ہم
 تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی
 تیرے والد بھی ہوئے کشتہ شمشیر ستم
 سب سے بڑھکر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید
 گھر کا گھر صاف ہوا ٹوٹ پڑا کوہِ الم
 اُس عقیفہ نے یہ سب سُنکے کہا تو یہ کہا
 یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہِ اُمم
 سب نے دی اُسکو بشارت کہ سلامت ہیں حضور
 گرچہ زخمی ہیں سر و سیتہ و پہلو و شکم
 بڑھ کے اُس نے رخِ اقدس کو جو دیکھا تو کہا
 تو سلامت ہو تو پھر پہنچیں سب رنج و الم
 میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
 اے شہدیں تم سے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

ہجرتِ نبویؐ

جب کہ آمادہٴ خوں ہو گئے کفارِ قریش
 لاجسرم سرورِ عالم نے کیا عزمِ سفر،
 کوئی نوکر تھا، نہ خادم، نہ برادر۔ نہ عزیز
 گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور
 اک فقط حضرت بو بکرؓ تھے ہمراہ رکاب
 ان کی اخلاصِ شعاری تھی جو منظورِ نظر،
 رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہے تھے
 کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادہٴ شر
 چونکہ سوانٹ کا انعام تھا قتل کے لئے
 آپ کے قتل کو نکلے تھے بہت طالبِ نر
 انہی لولوں میں سراقہ خلفِ جمعہم تھے،
 جن کو فاروق نے اک روز پہنائے تھے گہر

تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں یہاں
 تھا جہاں عقرب وافعی کی حکومت کا اثر،
 بیم جاں - خوفِ عدو - ترکِ غذا سختیِ راہ
 ان مصائب میں ہوئی اب شبِ ہجرت سے سحر
 یاں مدینہ میں ہوا غل کہ رسول آتے ہیں،
 راہ میں آنکھیں بچھانے لگے اربابِ نظر
 لڑکیاں گانے لگیں شوق میں آکر اشعار
 نغمہ ہائے "طلع البدر" سے گونج اٹھے گھر
 ماں کی آغوش میں بچے بھی چل جانے لگے
 نازنیتانِ حرم بھی نکل آئیں باہر
 آلِ نجار چلے شہر سے ہو کر تیار
 زرہ و جوشن و چار آئینہ و تیغ و سپر
 دفعۃً گو کہ شاہِ رسل آپہنچا
 غل ہوا اصل علیٰ شاہِ اناس پس و بشر

جلوہ طلعت اقدس جو ہوا عکس فگن
 دفعتاً تار شماعی تھا ہر اک تارِ مبصر
 طور سے حضرت موسیٰ کی صدا آتی تھی
 آج اک اور جھلک سی مجھے آتی ہر نظر
 سب کو تھی فکر کہ دیکھیں یہ شرف کیسے
 میہاں ہوتے ہیں کس اوج نشین کے در
 سینے کہتے تھے کہ خلوت گہرِ دل حاضر ہو
 آنکھیں کھلتی تھیں کہ دواور بھی تیار ہیں گھر
 ہاں مبارک تجھے اے خاکِ حرمِ نبوی،
 آج سے تو بھی ہوئی خاکِ حرم کی مہسّر
 صلّیٰ یاربّ علیٰ خیر نبی و رسول
 صلّیٰ یاربّ علیٰ افضل جنّ و بشر



رسول خدا کا حکم

ہند تھی پردہ نشین حرم بوسفیان

لقب رہند جگر خوار سے جو ہے مشہور

بارگاہ نبوی میں وہ ہوئی جب حاضر

اس ارادہ سے کہ ہو داخلِ ارباب حضور

عرض کی خدمت اقدس میں کہ ام ختمِ رسل

دینِ اسلام ہے مجھ کو بدل و جاں منظور

آپ ہم پردہ نشینوں سے جو بیعت لینے

کون سے کام ہیں جو کا کہ برتنا ہے ضرور

آپ نے لطف و عنایت سے یہ ارشاد کیا

پہلی یہ بات کہ ہو شائبہ شرک سے دور

دوسری یہ کہ نبوت کا سے لازم اقرار

بولی ان باتوں سے انکار نہیں مجھ کو حضور

پھر یہ ارشاد ہوا منع ہے اولاد کا قتل
 اس شقاوت سے ہر اک شخص کو بچنا ہو ضرور
 عرض کی اس نے کہ اے شمع شبستانِ رُسل
 یہ وہ موقع ہے کہ عاجز ہے یہاں فہم و شعور
 میں نے اولاد کو پالا تھا بڑی محنت سے
 میں انہیں آنکھ میں رکھتی تھی کہ تھے آنکھ کا نور
 بدر میں قتل انہیں حضرت والا نے کیا
 ہم سے کیا عہد اب اس بات کا لیتے ہیں حضور
 گرچہ یہ سوار ادب تھا غلطی پر مہربانی
 گرچہ یہ بات تھی خود شیوۃ انصاف و دور
 اُس کی اولاد نے خود جنگ میں کی تھی سبقت
 لڑکے بلدا کوئی جائے تو یہ کس کا ہے قصور
 لیکن آزادی افکار تھی از بس کہ پسند
 آپ نے فرطِ کرم سے اُسے رکھا معذور

تعمیر مسجد نبویؐ

ہجرت کے بعد آپؐ نے پہلا کیا جو کام
تعمیر مسجد گاہِ خدائے اناام تھا،

اک قطعہ زمین تھا کہ اس کام کے لئے

واقع میں ہر لحاظ سے موزوں مقام تھا

وہ قطعہ زمین تھا یتیموں کی ملکِ خاص

ہر چند قبر گاہ و گزر گاہِ عام تھا

چاہا حضورؐ نے کہ بہ قیمت خرید لیں،

اُن کے مربیوں سے کہا جو پیام تھا

ایسا م نے حضورؐ میں اگر یہ عرض کی،

یہ چیز ہی ہے کیا کہ جو یہ اہتمام تھا،

یہ سد یہ حقیر پذیرا کریں، حضورؐ

اللہ اس زمین کا یہ احترام تھا

لیکن حضور نے نہ گوارا کیا، اسے
 منت کشی سے آپکو پرہیز نام تھا
 احسان اور وہ بھی تیسرا زار کا
 بالکل خلاف طبع رسولِ انام تھا
 بارہ ہزار اسکے راج عطا کئے،
 یہ تھا وہ خلق جس سے مخالف بھی نام تھا
 سامان جو ضرور ہیں تعمیل کے لئے
 اب ان کی فکر مشغلہ صبح و شام تھا
 مزدور کی تلاش بھی تھی سنگ و گل کی بھی
 ازبکہ جلد بننے کا حاصل ہتمام تھا،
 انصارِ پاک اور مہاجر تھے جس قدر
 مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا،
 اک را اور نفسِ پاک بھی ان سب کا شریک
 جو آب و گل کے شغل میں بھی شاد کام تھا،
 کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت

سینہ عتبارِ خاک سے سب گرد فام تھا،
 سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریک حال
 یہ خود وجودِ پاکِ رسولِ انا م تھا،

جو وجہ آفرینشِ افلاک و عرش ہے
 جس کا کہ حبِ بریل بھی ادنیٰ غلام تھا،

صلوٰۃ علیٰ النسبی و صلیٰ بہ الکرام
 اس نظم مختصر کا یہ مسک الختم تھا

ہمارا طرزِ حکومت

کبھی سمنے بھی کی تھی حکمرانی ان ممالک پر
 مگر وہ حکمرانی جیسا کہ جان و دل پر تھا

قرابتِ راجگانِ ہند سے اکبر نے جب چاہی
 کہ یہ رشتہ عروسِ کشورِ آری کا زور تھا
 تو خود فرماں دہے پورے نسبت کی خواہش تھی

اگرچہ آپ بھی وہ صاحب دیہیم و افسر تھا
 ولی عہد حکومت اور خود شاہنشاہِ اکبر
 گئے انیر تک جو تخت گاہ ملک و کشور تھا
 ادھر راجہ کی نور دیدہ گھر میں حید آرا تھی
 ادھر شہزادہ پر چتر عروسی سایہ ستر تھا
 دہن کو گھر سے منزل گاہ تک اس شان ہوگا
 کہ کوسوں تک زمیں پر فرشِ دیبا مشجر تھا
 دہن کی پالکی خود اپنے کندھوں پر چلاؤ تھی
 وہ شاہنشاہِ اکبر اور جہانگیر این اکبر تھا
 یہی ہیں وہ شمیمِ انگیں زبیاں عطرِ محبت کی
 کہ جن سے بوستانِ ہند برسوں تک معطر تھا
 تمہیں لے دیکے ساری داستانیں یاد ہوتا
 کہ عالمگیر ہند و کش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

اسلامی نظام

جب ولی عہد ہوا تخت حکومت کا نرید
 غافل یثرب و بطحاً کو یہ پہنچے احکام
 کہ ولی عہد کا بھی اب سے پڑھے نام ضرور
 خطبہ پڑھتا ہے حریم نبوی میں جو امام
 وقت آیا تو چڑھا پایہ ممبر خطیب
 اور کہا یہ کہ یزید اب ہے امیر اسلام
 یہ نئی بات نہیں ہے کہ ابو بکر و عمرؓ
 جانشین کر گئے جب موت کا پہنچا پیغام
 اٹھ کے فرزند ابو بکرؓ نے فوراً یہ کہا
 سر بر کذب ہے یہ اے خلعت لیل لنام
 جھوٹ ہے یہ کہ ہے یہ سنت ابو بکر و عمرؓ
 ہاں مگر قیصر و کسراے کی ہی سنت عام

اپنے بیٹے کو بنایا تھا خلیفہ کس نے؟
 ایسی بدعت کا نہیں مذہبِ اسلام میں نام
 یہ طریقہ متواتر ہے تو کفار میں ہے
 ورنہ اسلام ہے اک مجلس شوری کا نظام
 شانِ اسلام ہے شخصیت ذاتی سے بعید،
 شرع میں سلطنتِ خاص ہر مسموع و حرام
 اس سے بھی قطع نظر۔ نسلِ عرب میں ہم لوگ
 وہ کوئی اور ہیں جو ہوتے ہیں شاہوں کے غلام

انصافِ عمرؓ

عدل میں ثانی ابن الخطاب
 ہو گیا گلشن گیتی شاداب
 پڑ گیا جب رخ عالم پہ نقاب
 صحنِ مسجد میں تھا آلودہ خواب

پس پر عبد عزیز اموی
 جب بلا تخت خلافت آنکو
 ایک شب گھر سو چلے بہر نما
 کوئی آوارہ وطن بند مزاج

جاگ اٹھا اور کیا اسے خطاب
یا کہ کچھ ہے تری آنکھوں پہ حجاب
کچھ نہیں مجھ میں جنوں کے اسباب
آپ سے عفو کا طالب ہو جناب
چاہتے یہ تھے کہ دیں اُس کو جواب
پھر کیا اُن سے یہ آہستہ خطاب
جو مناسب تھا دیا میں نے جواب
پوچھنا کچھ نہیں شاید یا عتاب
اتنی سی بات پہ یہ چشم و عتاب

پاؤں کا اُنکے ٹھوکا جو رگما
خبر ہو؟ کیا کوئی مجنون ہو تو؟
ہنس کے فرمایا کہ "مجنون نہیں
ہاں مگر گھوئی عجب سے تقصیر
جو بداروں نے کیا اُس کو اسیر
لپے روک دیا اُن کو وہیں
اس نے اک بات فقط پوچھی تھی،
بات قطعی تو نہیں اُس نے کہی
اتنی سی بات پہ یہ جوش و غضب

سیکوں کو میں ستاؤں کیونکر

مجھ کو دنیا ہے قیامت میں جواب

تجزیہ و تفرقہ

یہی ہنسی جو بربادیِ مسلم کے دل پہ ہو
وضو خانہ الگ اب چیز ہو مسجد الگ ہو

ہمیں جس چیز کو یار و رفیق تو بجزی تھی
مگر اب درو دیوار تک اس کا اثر پہنچا

تنزلِ اسلام کا سبب

لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ہے اب امرِ صریح
 کہ زمانہ میں کہیں عزتِ اسلام نہیں،
 آپ جائینگے جہاں قوم کو پائیں گے ذلیل
 اس میں تخصیصِ عراق و عرب و شام نہیں
 یہ بھی ظاہر ہے کہ ہیں مختلف احوال یہ لوگ
 کوئی چیز ان میں جو ہو مشترک عام نہیں،
 ایشیائی ہے اگر یہ تو وہ ہے افریقی
 اور کوئی رابطہ نامہ و پیغام نہیں،
 لالہ رنج یہ ہے تو زنگی و سیہ قیام ہے وہ
 یہ سمن برہے وہ موزون و خوش اندام نہیں
 اس نے گہوارہٴ راحت میں بسر کی ہر عمر
 وہ کبھی خوگر آسائش و آرام نہیں

وہ ازل سے ہے کمنہ افکن دشمن شیر نواز
 اس کو جز عیش کسی چیز سے کچھ کام نہیں،
 خان وایواں سے بھی سیری نہیں ہوتی اسکو
 اس کو گرنان جویں بھی ہو تو ابرام نہیں،
 اس نے یورپ کے مدارس میں جو سیکھے ہیں علوم
 وہ ابھی ایک تعلیم سے بھی رام نہیں،
 اس قدر فرق و تفاوت پہ بھی ہر عام یہاں
 قوم کا ذہن تر عزت میں کہیں تمام نہیں
 پس اگر غور سے دیکھو تو بجز مذہب و دیں
 ہم مسلمانوں میں کوئی صفت عام نہیں،
 ان اصولوں کی بنا پر یہ نتیجہ ہے صریح
 سبب پستی اسلام جز اسلام نہیں،
 ان مسائل میں ہر کچھ زرف نگاہی درکار
 یہ حقائق ہیں تماشاے لب بام نہیں،
 عذر کرتے کے لئے فکر و تعمق ہے ضرور

منزلِ خاص ہے یہ رزہ گزرِ عام نہیں
 بحثِ مافیہ میں پہلی غلطی یہ ہے کہ آپ
 جس کو اسلام سمجھتے ہیں وہ اسلام نہیں
 آپ کھانے کو بتا دیتے ہیں پہلے مسموم
 پھر یہ کہتے ہیں غذا موجبِ اسقام نہیں
 اعتقادات میں ہے سب سے مقدم توحید،
 آپ اس وصف کو ڈھونڈیں تو کہیں نام نہیں
 کون ہے شاہِ کفر سے خالی اس وقت
 کون ہے جب یہ فریبِ ہوس خام نہیں
 آستانوں کی زیارت کے لٹو شدہ حال
 اس میں کیا شان پرستاری اعنام نہیں
 کیجئے مسئلہ شرک نبوت پہ جو غور
 کفر میں بھی یہ جہانگیری ادھم نہیں
 اب عمل پر جو نظر کیجئے آئے گا نظر
 کہ کسی ملک میں پابندیِ احکام نہیں

اغنیا کی ہے یہ حالت کہ نہیں ہو وہ رئیس
 جس کے چہرہ پہ فروغِ مے گلفِ م نہیں
 نصِ قرآن سے مسلمان ہیں بھائی بھائی
 اس اخوت میں خصوصیتِ اعمام نہیں
 یاں یہ حالت ہے کہ بھائی کا بھائی دشمن
 کونسا گھر ہے جہاں یہ روش عام نہیں
 نہ کہیں صدق و دیانت ہو نہ پابندِ عہد
 دل میں نہ صاف زباناو نہ جو دشنام نہیں
 آیتِ قَاعْتَبِرُوا پڑھتے ہیں ہر روز مگر
 علماء کو خیرِ گردشِ ایام نہیں
 الغرض عوام ہر جو چیز وہ بے دینی ہے
 صاف یہ بات ہے دھوکا نہیں ابھانیں
 ان حقائق کی بنا پر سببِ پستی قوم
 ترکِ پابندیِ اسلام ہے اسلام نہیں

جراتِ صداقت

مہ توں حضرت عباسؓ بھی تھے شامل کفر
 کم سے کم یہ کہ رسالت پہ نہ تھا ان کو یقین
 بدر میں آکے لڑے اور گرفتار ہوئے
 بسکہ تقدیر میں تھی خانہ زنداں کی زنجیں
 قیدیوں کے لئے جو گھر کہ ہوا تھا تیار
 اتفاقات سے ہنما خانہ مسجد کے قریں
 رات کو حضرت عباسؓ گرا سے اکثر
 قید کرتے ہوئے لوگوں نے جو مشکیں بھینکیں
 دیر تک سرورِ عالم کو رہی بے خوابی
 کروٹیں لیتے تھے اور نیند نہ آتی تھی قرین
 وجہ پوچھی جو صحابہؓ نے تو یہ نہ پایا
 ”آئی ہے کان میں عباسؓ کی آوازِ حرمین“

جب سنا یہ تو وہیں کھول دے ہاتھ اُن کے
 چین سے حضرت عباسؓ نے راتیں کاٹیں
 تھا انہیں حضرت عباسؓ کا پوتا (منصور)
 جو کہ ایوانِ خلافت میں ہوا تخت نشین
 ایک دن حکم دیا اُس نے کہ اولادِ رسولؐ
 ایک جا جمع کئے جائیں جو مل جائیں کہیں
 پھر دیا حکم کہ ان سب کو پہن کر زنجیر
 کہہ دو ان سے کہ بنیں خانۂ زنداں کے مکین
 ایک دن سیر کو اس شان سے نکلا منصور
 پایہ زنجیر تھے ساداتِ یسار، اور میس
 ساتھ ساتھ آتے تھے پیدل جگدو جانِ رسولؐ
 اور منصور تھا زیبِ حرمِ خانہ نزیں
 ایک نے مجمعِ سادات سے بڑھ کر یہ کہا
 گرچہ اس لطف کے مشکور ہیں ہم خاک نشین
 غزوہ بدر میں لیکن جو کیا ہے سمنے سلوک

شغل تکفیر

اک مولوی صاحب سے کہا میں نے کہ کیا آپ
 کچھ حالتِ یورپ سے خبردار نہیں ہیں،
 آمادہ اسلام ہیں لندن میں ہزاروں
 ہرچیز ابھی مارٹل اظہار نہیں ہیں
 تقلید کے پھندوں سے ہوئے جاتے ہیں آقا و
 وہ لوگ بھی جو داخلِ اسلام نہیں ہیں
 جو نام سے اسلام کے ہو جاتے ہیں پر ہم
 ان میں بھی تعصب کے وہ آثار نہیں ہیں،
 افسوس مگر یہ ہے کہ واعظ نہیں پیدا
 یا میں تو بقول آپ کے دیندار نہیں ہیں
 کیا آپ کے زمرہ میں کسی کو نہیں یہ درد
 کیا آپ بھی اس کے لئے تیار نہیں ہیں؟
 جھٹلا کے کہنا یہ کہ یہ کیا سوء ادب ہو

کہتے ہو وہ باتیں جو سزاوار نہیں ہیں
 کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
 بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

مذہب یا سیاست

تم کسی قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھو!
 وہی باتیں ہیں کہ جن پر ہے ترقی کا مدار
 یا کوئی جذبہ دینی تھا کہ جس نے دم میں
 کر دیا ذرہ افسردہ کو ہمرنگِ شرار
 ہے یہ وہ قوت پر زور کہ جس کی تکرار
 سنگِ خارا کو بنا دیتی ہے اک مشیتِ غبار
 اس کی زد کھا کے لرز جاتی ہے بنیادِ زمیں
 اس سے ٹکر لے کے بکھر جاتے ہیں اوراقِ دیار
 یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے نچے،
 کھینچے جاتے تھے ایوانِ گہ گہری میں شکار

وہ الٹ دیتے تھے دنیا کا مرقع دم میں،
 جن کے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی اونٹوں کی مہار
 اس کی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سموم
 بنگلی دہر میں جا کر چین آرائے بہار
 یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے رہن
 فاش کرنے لگے جبریل امین کے اسرار،
 یا کوئی جاذبہ ملک و وطن تھا جس نے
 کر دئے دم میں قوائے عملی سب بیدار
 ہے اسی سے یہ سرمستی احرار وطن
 ہے اسی شہ سے یہ گرمی ہنگامہ کار،
 آپ دونوں سے کئے دیتے ہیں ہم کو محروم
 نہ سیاست ہی نہ ناموس شریعت کا وقار
 مدتوں بحث سیاست کی اجازت ہی نہ تھی،
 کہ وفاداری مسلم کا تھا یہ خاص وقار
 اب اجازت ہے مگر دائرہ بحث ہی یہ

کہ گوڈنڈٹ سے اس بات کو ہوں غصہ گزار

ہم کو پامال کئے دیتے ہیں ابنائے وطن،

ڈر ہے پس جائے نہ یہ فرقہ اخلاص شعار

یہ بھی اک گو نہ شکایت ہے غلاموں کو ضرر

کہ مناصب میں ہو کم حلقہ بگوشوں کا شمار

اب رہا جذبہ دینی تو وہ اس طرح مہبطا

کہ ہمیں آپ ہی آتا ہے اب اس نام سوعار

وضع میں طرز میں اخلاق میں سیرت میں کہیں

نظر آتے نہیں کچھ حرمت دین کے آثار

آپ نے ہم کو سکھائے ہیں جو یورپ کے علوم

اس ضرورت سے نہیں قوم کو ہرگز انکار،

بحث یہ ہے کہ وہ اس طرز سے بھی ممکن تھا

کہ نہ گھٹتا کبھی ناموس شریعت کا وقار

ہم نے پہلے بھی تو اختیار کے سیکھے تھے علوم

ہم نے پہلے بھی تو اس شہ کا دیکھا ہے خار

نام لیتے تھے اسطو کا ادب سے ہرچند
 تھے فلاطون الہی کے بھی گوشکر گزار
 جانتے تھے مگر اس بات کو بھی اہل نظر
 کہ حریفوں کو نہیں انجمن خاص میں بار
 یعنی یہ بادہ عرفاں کے نہیں ذوق شام
 بزم اسرار کے یہ لوگ نہیں بادہ گار
 آج ہر بات میں ہے شانِ تفرج پیدا
 آج ہر رنگ میں یورپ کے نمایاں ہر شعار
 ہیں شریعت کے مسائل بھی وہیں تک مقبول
 کہ جہان تک انہیں معقول بنائیں اغیار

احرار قوم اور طفلِ سیاست

یہ اعتراض آپ کا بیشک صحیح ہے
 احرار قوم میں ہیں بہت خامیاں ابھی
 چلتے ہیں تھوڑی دور ہراک اہر کے ساتھ

گم گشتہ طریق ہے یہ کارواں ابھی،
 زود ارعقا دیاں ہیں، تلون ہو۔ وہم ہے
 ہو جاتے ہیں ہر ایک سے یہ بدگماں ابھی
 دل میں نہ غم ہے نہ اراؤں میں ہر ثبات
 جھیلے نہیں ہیں معرکہ امتحان ابھی
 بے اعتدالیاں ہیں ادا سے کلام میں،
 باہر ہے اختیار سے ان کے زباں ابھی
 ہر دم ہیں گو مسائل ملکی زبان پر،
 ان میں سے ایک بھی تو نہیں نکتہ دان ابھی
 یہ سب بجا درست۔ مگر سچ تو پوچھئے
 جو کچھ کہ ہے یہ ہے اثر رفتگاں ابھی،
 یہ ہے اسی سیاست پاریشہ کا اثر
 گوشع بجھ چکی ہے مگر ہے دھواں ابھی
 موزوں نہیں ہے جنبش اعضا تو کیا عجب
 شب کے خمار کی ہیں یہ انگڑائیاں ابھی،

چلنے میں لڑکھڑاتے ہیں اک اک قدم پہ پاؤں
 چھوٹے ہیں قید سخت سے یہ سخت جاں ابھی
 بیکار کر دیے تھے جو خود بازو سے عمل
 گو گھنچتے ہیں، پر نہیں گھنچتی کہاں ابھی
 آئے کہاں سے قوتِ رفتار پاؤں میں
 کچھ بیڑیاں ہیں پاؤں کی بندگراں ابھی
 غوغاں ہے کچھ مباحث ملکی نہیں ہیں یہ
 اک طفل ہے سیاست ہندوستان ابھی

منکرے بون و ہمزگانستانِ ستین

معترض ہیں مجھ پہ میرے مہربانانِ قدیم
 جرم یہ ہے میں نے کیوں چھوڑا وہ آئینِ کہن
 میں نے کیوں لکھے مضامینِ سیاست پے پے
 کیوں نہ کی تقلید طرزِ رہنمایانِ زمن؟

کانگریس سے مجھ کو اظہارِ براءت کیوں نہیں
 کیوں حقوق ملک میں ہوں ہندوؤں کا ہم سخن،
 خیر میں تو شامرتِ اعمال سے جو ہوں ہوں
 آپ تو فرمائیے۔ کیوں آپ نے بدلا چلن،
 آپ نے شملہ میں جا کے کی تھی جو کچھ گفتگو،
 حاصل اس کا فقط یہ تھا پس از متہید فن،
 سعی بازو سے ملیں جب ہندوؤں کو کچھ حقوق،
 اُس میں کچھ حصہ ملے ہم کو بھی، بہرِ خجستن،
 یعنی جا کر شیرِ جب جنگل سے کر لائے شکار،
 نو مڑی پہنچے کہ کچھ مج کو بھی سرکارِ رزمین یا
 لیکن اب تو آپ کی بھی کھاسی جاتی ہو یاں
 آپ بھی اب تو اڑتے ہیں وہی طرزِ سخن
 اب تو مسلم لیگ کو بھی خواب آتے ہیں طرز
 اب تو ہے کچھ اور طرزِ نعمتِ مرغِ چمن،
 ملک پر اپنی حکومت چاہتے ہیں آپ بھی،

تھا یہی تو منتہائے فکر یا ران و طن،
 آپ نے بھی اب تو نصب العین رکھا ہو ہی
 کانگریس کا ابتدا سے ہے جو موضوع سخن
 آپ بھی توجادہ (سید) سے اب ہن خرف!
 ابتوا وراق و فاپر آپ کے بھی ہے شکن
 جب یہ حالت ہے تو پھر ہمیں کیوں چشم عتاب
 منکرے بودن و ہرنگ مستان زیتن

خطاب بحضور وائسرائے

اے ہمایوں گہرا فسرو اورنگر شہی
 وہ کیا تو نے جو آئین جہان بینی ہے
 تو نے ظاہر میں رعایا سے جو کھالی شکست
 یہ حقیقت میں ظفر مندی سلطانی ہے
 تو نے سمجھا کہ رعایا کا وہ اینوہ وہ جوش
 گرچہ جائز نہ سہی جد بہ انسانی ہے

تیرے لطف و کرم عام نے دیدی یہ ندا
 کوئی مجرم ہو نہ قیدی ہے نہ زندانی ہے،
 تو نے اک آن میں گرتا ہوا گھر تھام لیا
 بازو و نہیں یہ ترے زور جہاں نبانی ہے
 بات رکھ لی تری تقریر نے حکام کی بھی
 گرچہ لازم انہیں اطہارِ شپائی ہے
 تیرے دربار میں پہنچینگے جو اوراقِ سپاس
 ان میں یہ پیشکش شبلی نعمانی ہے
 گرچہ مدح امراء میں نے نہیں کی ہو کبھی
 شکر احسان مگر اک فطرتِ انسانی ہو

سادگی

اک روز جرموں نے کہا از رو غرور
 آساں نہیں ہر فتح تو دشوار بھی نہیں،
 برطانیہ کی فوج ہے دس لاکھ سے بھی کم،

اُس پر یہ لطف ہے کہ وہ تیار بھی نہیں
 باقی رہا فرانس تو وہ رند لم نزل
 آئیں شناس شیوہ پیکار بھی نہیں
 میں نے کہا غلط ہے ترا دعوے اعزور!
 دیوانہ تو نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں
 ہم لوگ اہل مہتد ہیں چرمین سودش گئے
 تجھ کو تیز اندک و بسیار بھی نہیں
 اس سادگی پہ کون نہ مرجائے از خدا
 لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

جنگِ زرگری

کیا لطف ہے کہ حاجی ندوہ ہیں ابہ لوگ
 جن کو کہ اُس کے کام سے بھی اجتناب تھا
 وہ لوگ جنگی رائے میں یہ ندوہ غریب
 ایک یہودہ خیال تھا یا ایک خواب تھا

وہ لوگ جنکی رائے میں تعلیم کا یہ طرز
 اعلان جنگ سید عالم جناب تھا
 وہ لوگ جنکی رائے میں یہ ندوہ حقیقہ
 تعلیم مغربی کے لئے سد باب تھا
 وہ لوگ جنکی رائے میں ندوہ کا یہ طہسم،
 سرتاق دم فریب دہ شیخ و شاب تھا
 ندوہ کا نام سننے جو کھاتے تھے بچ و تاب
 جن کے لئے وہ موجب پرہیز و عذاب تھا
 حیرت یہ ہے کہ مجمع دہلی میں یہ گروہ
 ندوہ کے حل و عقد کا نائب مناب تھا
 ندوہ یہ حرف گیر جو ہوتا تھا کوئی شخص
 وہ اس گروہ یاک کا وقف عتاب تھا،
 ندوہ میں کوئی نقص بتاتا تھا اگر کوئی،
 ان کی طرف سے ایک کا سو سو جواب تھا
 سیارگانِ حرب علی گڑھ تھے پیش پیش

جنہیں کوئی فخر تھا کوئی آفتاب تھا
 حیرت میں تھے تمام تماشایانِ بزم
 یعنی یہ کیا طلسم تھا کیا انقلاب تھا
 ندوہ کہاں کہاں وہ علی گڑھ کی انجمن
 اُس بزمِ قدس میں یہ کہاں باریاب تھا
 کس دن کی دوستی ہے یہ کب کا ہوا تبا
 یوں کب وہ موردِ کرم بے حساب تھا
 شایانِ آفتاب ہے وہی ندوہ غریب
 جو مدتوں سے موردِ خشم و عتاب تھا
 سرشار ہے حمایتِ ندوہ میں وہ گروہ
 جس کو کہ اُس کے ذکر سے بھی اجتناب تھا
 یہ قصۂ لطیف ابھی نامتِ سام ہے
 جو کچھ بیاں ہوا ہے یہ آغازِ باب تھا
 آتا ہے اب معائنۂ ندوہ کا مشن
 جو خستہ راعِ مجمعِ حکمت شعار ہے

جن میں سے کچھ شریک نزاع قدیم ہیں
 کچھ ابتدا سے بانی آغز کار ہے،
 جن میں سے کوئی محکمہ راز کا شریک
 مضمون آفتاب کا مضمون نگار ہے
 خود کوزہ گر ہے خود گل کوزہ بھی ہو ہی
 جو صلح ہے وہی روش کارزار ہے
 کیا شان ایزدی ہے - وہی ندوۂ علوم
 جو مدعی رہبری روزگار ہے
 جو مایہ امتیاز ہے نسل جدید کا
 جو کاروان رفتہ کی اب یادگار ہے
 جس پر یہ حسن ظن ہے کہ یہ مجمع کرام
 جس کا کہ مصر و شام میں اتنا فقاہ ہے
 آیا تھا جس کے شوق میں وہ فاضل عرب
 جس کا مرقع ادبی "الملتار" ہے
 چلتے ہیں جس کے نقش قدم پر حریف بھی،

گوا عتراف حق سے ابھی اُن کو عار ہو
 جس نے خطابتِ عزلی کو دیارِ وِلاج
 جو فنِ جبرج و نقد کا آمرزگار ہے
 جس نے بدل دیارِ وِش و شیوہِ قدیم
 جو رہبرِ طریقہٴ اصلاح کا رہے
 آتے ہیں اُس کی جابج کونا آشنائِ فن
 یہ انقلابِ گردشِ لیل و نہار ہے
 تعلیمِ مشرقی سے نہیں جن کو کچھ غرض
 وہ اب نہ ان کا نازکش اقتدار ہے
 اربابِ ریش و جبہٴ اقدس کا وہ گروہ
 اب چند منشیموں کا اطاعت گزار ہے
 یہ داستانِ درویدِ افسانہٴ الم
 ندوہ کا نو حہٴ نفسِ احتضار ہے

خطابِ ہند

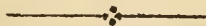
یہ جو لیڈر شکنی اپنے کی، خوب کیا
 قوم اب طوقِ غلامی سے ہر بالکل آزاد،
 لوگ اب حلقہٴ تقلید میں ہوں گے اسیر
 ٹوٹ جائیگا طلسمِ اثرِ استبداد
 ہاں مگر ایک گزارش بھی یہ قابلِ غور
 یہ تو فرمائے اس باب میں کیا ہوا رشاد
 بتکدے آپ نے ڈھائی بہت اچھلکین
 شرط یہ ہے کہ حرم کی بھی تور کھینے بنیاد
 آبلہ قابلِ شتر تھا۔ یہ مانا۔ لیکن
 دیکھئے یہ کہ کہیں زخم میں آئے نہ فساد
 آپ کہتے ہیں کہ وہ مجمعِ ناجائز تھا
 خیر جو کچھ تھا، مگر جمع تو تھے کچھ آزاد،
 اب کوئی مرکز قومی ہے نہ توحید خیال

نہ کوئی جادہ مقصد ہے نہ کچھ توشہ و زاد
 خوف یہ ہے کہ بکھر جائے نہ شیرازہ قوم
 خوف یہ ہے کہ یہ دیرانہ نہو پھر آباد
 ذرے جس طرح سو ہو جاتے ہیں اڑاڑ کے قفا
 یوں ہی ہو جائے گی پھر قوم بھی آخر برباد
 نکتہ چینی سے فقط کام نہیں چل سکتا
 یہ بھی لازم ہے کہ کچھ کام بھی ہمیشہ نہاد
 بھاپ پُر زور ہے لیکن کوئی کچن بھی تو ہو
 کام کیا آئے گا شتر جو نہ ہو گا فساد

حزرومہ

دیکھ کر حریت فکر کا یہ دور جدید
 سوچتا ہوں کہ یہ آئین خرد ہے کہ نہیں؟
 رہنماؤں کی یہ تحقیر یہ اندازِ کلام
 اسمیں کچھ شائبہ رشک و حسد ہے کہ نہیں؟

اعتراضات کا انبار جو آتا ہے نظر
 اس میں کچھ قابل تسلیم و سند ہو کہ نہیں
 نیکہ چینی کا یہ انداز یہ آئین سخن
 بزم تہذیب میں مستوجب رد ہو کہ نہیں؟
 جس نئی راہ میں ہیں باد یہ سیمپا یوگ
 کوئی اس جادہ مشکل کا بلد ہو کہ نہیں؟
 شاعروں نے جو نئی آج پچھائی ہو بساط
 اس میں ان پر بھی کہیں سو کوئی زد ہو کہ نہیں؟
 پہلے گر شان غلامی تھی تو اب خیرہ سری
 اس دورا ہے میں کوئی بیج کی حد ہو کہ نہیں؟
 فیصلہ کرنے سے پہلے میں فرادیکھ تولوں
 "جزر جیسا تھا اسی زور کا" مد ہو کہ نہیں؟



تماشاے عبرت

آج کی رات یہ کیوں جمع ہیں احباب بہم
 بھیڑ کیا ہے نظر آتا ہے یہ کیسا عالم
 نوجوانان ہنر پرور وارباب ہمس
 جوق کے جوق چلے آتے ہیں کیسے پیہم
 کچھ سمجھ میں نہیں آتا جو یہ سب سمجھ میں
 شاید اس بزم کو یہ بزم طرب سمجھ میں
 ہے گماں اُن کو کہ آیا ہے ٹھنڈ کوئی،
 یا کہ اس سے بھی تماشا ہے یہ بڑھ کر کوئی،
 اس سبھ میں بھی نظر آئے گا اندر کوئی
 مسخر ابن کے بھی آئین کا مقدر کوئی
 نقل وہ ہوگی کہ دیکھی نہ سنی ہوگی کبھی
 سیر وہ آج کریں گے کہ نہ کی ہوگی کبھی
 مٹے اس فرحی مسکس کو علامہ شبلی نے علی گڑھ میں پڑھا۔

کوئی کہتا ہے ٹھیٹھ تو نہیں ہے لیکن
ساز و غمہ بھی نہ ہو ساتھ نہیں ہے ممکن،

راتیں کالی ہیں اسی شوق میں تارے گن گن

دیکھیں کیا سیر دکھائیں یہ بزرگانِ سن

کچھ نہ کچھ تازہ کرامات تو ہوگی آخر

بوڑھے غمروں میں کوئی بات تو ہوگی آخر

دوستو کیا تھیں سچ مح تھا ٹھیٹھ کا یقیں

کیا یہ سمجھے تھے کہ پردہ کوئی ہوگا رنگیں

نظر آئے گی جو سوتی ہوئی اک ہر جہیں

آئے گا پھول کے لینے کو ارم کا گلچیں

قوم کی بزم کو یوں کھیل متا شا سمجھے

ہائے گر آپ یہ سمجھے بھی تو بیجا سمجھے

ہائے افسوس کہ ہو قوم تو یوں خستہ و زار

مرض الموت میں جس طرح سے کوئی بیمار

نہ معالج ہو کوئی پاس نہ سر پر غنچوار

نظر آتے ہوں دم نزع کے سارے آثار
 واں تو یہ حال کہ مرنے میں بھی کچھ دیر نہیں
 آپ ادھر سیر تماشے سے ابھی سیر نہیں
 نوہ غم ہے یہاں نعمۂ عشرت کیسا
 ہے یہ عبرت کا سماں جو شمسِ ستر کیسا
 ہے جنوں خیر یہ ہنگامہِ عبرت کیسا
 قوم کا حال ہے غفلت کی بدولت کیسا
 ہے عجب سیر اگر دیدہ بہینہ دیکھے
 دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے
 مائے کیا سین ہے یہ بھی کہ گروہِ شرفا
 صاحبِ افسرد اور نگ تھے جنکے آبا
 قوم کے عقدہِ مشکل کے ہیں جو عقدہ کشا
 ایک طربن کے وہ اسٹیج پہ ہیں جلوہ نما
 قوم کے خواری پریشاں کی یہ تعبیریں ہیں
 ایک طرب یہ نہیں عبرت کی یہ تصویریں ہیں

بانی مدرسہ سید وال گوھر
 وہ بیچنگ کمیٹی کے معزز ممبر
 شبلی غمزدہ وہ شاعر اعجاز اثر
 اور یہ نوباوہ اقبال کے سب بگ و متر
 نہ تکلف کے کچھ انداز نہ کچھ جاہ کی شاں
 بزم میں آئے ہیں اس حال سے اللہ کی شان
 اپنے رتبوں کا نہ کچھ دھیان نہ کچھ وضع کا پاس
 دوستوں سے نہ جھجکا اور نہ دشمن سے ہراس
 گرچہ سب کہتے ہیں حامل نہیں کچھ بھی خزیاس
 ہائے کیا دھن ہو کہ بھر بھی تو نہیں ٹوٹتی آس
 عرض مطلب کی ہے تصویر سراپا ان کا
 ہاتھ خود کا سہ دریوزہ ہے گویا ان کا
 ان کا ہر لفظ ہے اک مرثیہ جاں فرسا
 قوم کی شان دکھا دیتی ہے ایک ایک ادا
 دیکھ اے قوم جو اب تک ہو نہ تو نے دیکھا

اپنے بگڑے ہوئے انداز کا پورا احسا کا
 گرچہ تدبیر بھی ہم سے نہیں کچھ کی جاتی
 ہائے حالت بھی تو تیری نہیں دیکھی جاتی،
 یوں بھلانے کو تو ہم دل سے بھلاتے ہیں مگر
 یاد آجاتے ہیں پھر کبھی ترے اگلے جو ہر
 وہ بھی اک دن تھا کہ جس سمت سے ہوتا تھا گزرنہ
 ساتھ چلتے تھے جلو میں ترے اقبال و ظفر،
 تو کبھی روم میں قیصر کو مسٹا کر آئی
 کبھی یورپ میں نئے نئے فتنے اٹھا کر آئی
 تھے نقیبوں میں ترے دولت و اقبال و حشم
 ترے حملوں سے دہل جاتا تھا سارا عالم
 ایشیا کا جو کسیا تو نے مرقع برہم
 جا کے یورپ کے افق پر بھی اڑایا پرچم
 کر دیا دفن تار کو اہستہ تر تو نے،
 نیزہ گاڑا تھا خیمہ گاہ تیرے رونے

کون تھا جس نے کیا فارس و یوناں تاراج
 کس کی آمد میں خدا کر دیا جیپال نے راج
 کس کو کسریٰ نے دیا تخت و زروا فستاج
 کس کے دربار میں تاتار سے آتا تھا خراج
 تجھ پہ اے قوم اثر کرتا ہے افسوں جن کا
 یہ دہی تھے کہ رگوں میں ہر ترے خوں جن کا
 ہم نے مانا بھی کہ دل سے یہ بھلا دیں قصے
 یہ سمجھ لیں کہ ہم ایسے ہی تھے اب ہیں جیسے
 یہ بھی منظور ہے ہم کو کہ ہمارے بچے
 دیکھنے پائیں نہ تارکچ عرب کے صفحے
 کبھی بھولے بھی سلف کو نہ کریں یاد اگر
 یادگاروں کو زمانے سے مٹا دیں کیونکر
 مر و شیراز و صفا ہاں کے وہ زیباً منظر
 بیت حمر کے وہ ایوان وہ دیوار وہ در
 مصر و غرناطہ و بغداد کا ایک ایک تپھر

اور وہ دہلی مرحوم کے بوسیدہ گھنڈر
 اُن کے ذروں میں چمکتے ہیں جو ہر ایک
 داستانیں انہیں سب یاد ہیں از برایتک
 اُن سے سن لے کوئی افسانہ یارِ ان وطن
 یہ دکھا دیتی ہیں آنکھوں کو وہی خواب کہن
 تیرے ہی نام کا اے قوم یہ گلتے ہیں بھجن
 تیرے ہی نغمہ پر درد کے ہیں یہ ارگن
 پوچھتا ہے جو کوئی اُن سے نشانی تیری
 یہ سنا دیتے ہیں سب رام کہانی تیری

مسلم لیگ

لوگ کہتے ہیں کہ آمادہٴ صلاح ہو لیگ
 یہ اگر سچ ہے تو ہم کو بھی کوئی جنگ نہیں
 صیغہٴ راز سے کچھ کچھ یہ بھنک آتی ہے
 کہ ہم آہنگی احباب سے اب ننگ نہیں

فرق اتنا تو بظاہر نظر آتا ہے ضرور
 اب خوشامد کا ہر اک بات میں ورنگ نہیں،
 عرض مطلب میں زباں کچھ تو سہ کھلتی جاتی
 گرچہ اب تک بھی حرفیوں سے ہم آہنگ نہیں
 وہ بھی اب نقدِ حکومت کو پرکھتے ہیں ضرور
 جن کو اب تک بھی تمیز گہر و سنگ نہیں
 قوم میں پھونکتے رہتے ہیں جو افسوں و فا
 ان کی افسانہ طرازی کا بھی وہ ڈھنگ نہیں
 وہ بھی کہتے ہیں کہ اس جنس وفا کی قیمت
 جس قدر ملتی ہے ذرہ کی بھی ہم سنگ نہیں،
 آگے تھے حلقہٴ تقلید میں جو لوگ اسیر
 ست رفتار تو اب بھی ہیں لگائے نہیں
 آپ لبرل جو نہیں ہیں تو بلا سے نہ سہی
 یاں کسی کو طلبِ افسر و اورنگ نہیں
 کام کرنے کے بہت سے ہیں جو کرتا چاہے

اب بھی یہ دائرہ سعی و عمل تنگ نہیں
 سال میں یہ جو تماشا ہوا کرتا ہے
 کام کرنے کے یہ انداز نہیں ٹھنک نہیں
 کچھ تو نظم و نسق ملک میں بھی دیکھے حوصل
 شیوہ حق طلبی ہے یہ کوئی جنگ نہیں
 کچھ نہ کچھ نظم حکومت میں یہ اصلاح ضرور
 ہم نہ مانیں گر کہ اس آئینہ میں رنگ نہیں
 کم سے کم حاکم ضلوع تو ہوں اہل وطن
 کیا ہزاروں میں کوئی صاحبِ ہنگ نہیں

سوٹ ایل سلف گورنمنٹ

دیکھا جو لیگ نے کہ ہوا خاتمہ تمام
 از بسکہ دست حق طلبی اب دراز ہے
 کہنے لگے ہیں سب کہ سیاست کا نظام
 مقبول خاص و عام نہیں خانہ ساز ہے

تقسیم مشرقی نے عیاں کر دیا ہے سب
 شاہراہ حق میں نشیب و فراز ہے
 مجبور ہو کے لیگ نے اُٹا ہے یہ ورق
 جو سب مرقع نیرنگ ساز ہے،
 پہرہ پہ ہے جو سلف گورنمنٹ کا نقاب
 ہر دیدہ ورا سیر طلسم مجاز ہے،
 سمجھے نہ یہ کہ سٹوٹ اہل کی جو شرط ہے
 تمہید سجدہ ہلے جبین نیاز ہے
 سمجھے نہ لوگ یہ کہ یہی لفظ پُر فریب
 اس ملک میں طلسم غلامی کا راز ہے
 سب یہ سمجھ رہے ہیں کہ اب لیگ کانگریس
 دونوں کا ایک عرصہ گہ ترک تاز ہے
 جب تک کہ لوگ حلقہ بگوش خواص ہیں
 جب تک زبان قوم خوشامد طراز ہے
 جب تک ہیں لوگ عالم بالا سے مستفیض

جب تک بہم یہ دور قح ہائے راز ہے
 "احرار" سے کہو کہ نہیں کچھ امیب "صلح"
 ملتا نہیں جو فقرہ و امتیاز ہے
 آزادئی خیال پہ تم کو ہے گر غرور
 تولیگ کو بھی شان غلامی پہ ناز ہے

مسلم لیگ

لیگ کو جب نظر آیا کہ چاکلی ہاتھ سے قوم
 اک نیا روپ بھرا اس نے بانداز دگر
 منظرِ عالم پہ لوگوں سے کیا اس نے خطاب
 کہ نہیں سلف گورنمنٹ سب اب ہم کو مفر
 اک ذرا سی مگر اس لفظ میں تخصیص بھی ہو
 جس سے ہیں متفق اللفظ سب ارباب نظر
 یعنی وہ سلف گورنمنٹ کہ "ہوسوٹائل"
 یا کہ موزون و مناسب ہو بالفاظ دگر

یہ مسلم کہ ہر اک ملک کی حالت ہے جدا
 جس کا آئین حکومت پہ بھی پڑتا ہے اثر
 جو حکومت کہ کناڈا کے لئے موزوں ہو
 ہے وہی مملکت ہند میں سرمایہ شر
 ملک میں ہم بھی ہیں ہندو بھی ہیں عیسائی بھی
 جو کہ ہیں نخل حکومت کے لئے برگ و ثمر
 واقعی قید مناسب ہے بجا اور موزوں
 آپ اس قید کو کس کام میں لائیں گے نگر؟
 پہلے بھی آپ تو اس حصن میں لیتے تھے پناہ
 پہلے بھی آپ اسی دشت میں تھے راہ سپر
 جب کبھی کوئی بھی تحریک سیاسی ہوگی
 آپ اس قید مناسب کو بنائیں گے سپر
 اب بھی ہیں زیادہ مقصد کے وہی نقش قدم
 اب بھی اوراق سیاست کا وہی ہے مسطر
 یہ وہی لفظ ہے مجموعہ صد گو نہ فریب

یہ وہی لفظ ہے سرمایہ صد گونہ ضرر
 آپ ہر بار جو بڑھ بڑھ کے پٹا آتے ہیں
 ہے اسی شیوہ تعلیم غلامی کا اثر
 آپ کے فلسفہ نو کے یہ الفاظ جدید
 گونپا ہر ہیں فریتدہ ارباب بصر
 ہے حقیقت میں اسی تن غلامی کی یہ شرح
 ہے حقیقت میں اسی نخل سیاست کا ثمر
 چند چلے جوں بانوں پہ چلے آتے ہیں
 آپ دہراتے ہیں ہر بار باندازِ دیگر
 ایک انہیں سے ہے یہ بھی کہ ابھی وقت نہیں
 ہے اسی لفظ کی تشریح باندازِ دیگر
 آج یہ لفظ "مناسب جو نیا وضع ہوا
 آپ اس لفظ کو ہر بار بنائیں گے سپر
 آپ کے دائرہ بحث کا مرکز تھا یہی
 آپ کی فکر کش پیہم کا یہی تھا محور

آپ اس دام سے ہر سوں بھی نہ چھوٹینگے کبھی
 آپ اس کو چہرے پر خم سے نہ ہونگے سر پر
 آپ اس بھول بھلیاں سے نہ نکلیں گے کبھی
 دل سے جائیگا نہ تعلیم غلامی کا اثر
 جب کہیں بھی کوئی پہلوئے غلامی ہوگا
 ہر طرف پھر کے اسی نقطہ پہ ٹھہرے گی نظر

اس قدر سرد فراج اور پھر اُس پر تبرید
 خوف یہ ہے کہ پہنچ جائے نہ فالج کا اثر
 آپ کچھ گرم دوائیں جو گوارا فرمائیں
 ہم دعا گو یہ سمجھتے ہیں کہ ہوگا بہتر

لیگ معہ سوٹ ایبل

لیگ کو سلف گورنمنٹ ہسپتال پیش نظر
 مداحمد کہ حل ہو گئی ساری مشکل
 اب یہ بیجا ہے شکایت کہ وہ آزاد نہیں

اب یہ کہتا غلطی ہے کہ وہ ہے پا در گل
 ملک کے جملہ مسائل کی یہی ہے بنیاد
 اور جو کچھ ہے، اسی چیز میں ہو سب شامل،
 لیگ نے حق طلبی میں جو یہ جرأت کی ہو
 واقعہ یہ ہے کہ ہے مدح و ثنا کے مقابل
 کچھ تو ہے لیگ میں جس نے کیشش پیدا کی
 آپ سے آپ جو گھنچتا ہے ادھر دامن دل
 لیگ والوں نے جو اسٹیج پہ کی تقریریں
 کر دئے اس نے خیالات غلط سب باطل
 اس دلیری سے ہر اک عرف ادا ہوتا تھا
 بعض کہتے تھے کہ ہے سوادب میں داخل
 الغرض لیگ کے اور مجلس ملکی کے حدود
 یوں ملے آکے ہم بحر سے جیسے ساحل
 ہاں تو اب عرض ہو یہ خدمت عالیٰ میں جناب
 کیجئے ساف گورنمنٹ کا مقصد حاصل

امتحانات سول کے لئے لندن کی یہ قید
 ہے یہ رفتار ترقی کے لئے سخت محنت
 یہ جو پیمائش ارضی کا ہے سی سالہ واج
 ملک کے حق میں ہو یہ زہر سے بڑھکر قابل
 جو مناصب کہ ولایت کے لئے ہیں مخصوص
 آج ابنائے وطن بھی تو ہیں اُن کے قابل
 صیغہ فوج میں تخفیفِ مصارف ہو ضرور
 سینہ ملک پہ! افسوس کہ بھاری ہو یہ سیل
 لیگ نے سن کے یہ سب مجھ سے بامہتہ کہا
 آپ سمجھے بھی کہ اس لفظ کا کیا تھا محمل
 ہمنے گو سلف گورنمنٹ کی خواہش کی تھی
 شرط یہ بھی تو لگا دی تھی کہ ہو سوٹ ایبل
 آپ جو کہتے ہیں وہ ہو حد ادراک سے دُور
 ہم کو اس خواب پریشاں میں نہ کیجے شامل
 یہ وہ باتیں ہیں جو مخصوص ہیں یورپ کے لئے

آپ طے پہلے غلامی کی توکر لیں منزل
رایت انریل سید امیر علی سو خطا

اغماض چلتے وقت مروت سے دور تھا
 اس وقت پاس آپ کا ہونا ضرور تھا
 ہر چند لیگ کا نفس واپس ہے اب
 اس ہستی دور و زہ پہ جس کو غرور تھا
 وہ دن گئے کہ بتکدہ کو کہتے تھے حرم
 وہ دن گئے کہ خاک کو دعوائے نور تھا
 وہ دن گئے کہ شان غلامی کے ساتھ بھی
 ہر بواہوس خار سیاست میں چڑھ رہا تھا
 وہ دن گئے کہ "شارع اول" کا حرف
 ہم پایہ کلام سخنگوئے طور تھا
 وہ دن گئے کہ فتنہ آخر زماں کے بعد
 گویا کہ اب امام زماں کا ظہور تھا

اب معترف ہیں دیدہ و روان قدیم بھی
 اس نقشِ سمیا میں نظر کا قصور تھا
 اس دستِ مرعش میں نہ تھی قوتِ عمل
 اک کاسہ تھی یہ سر پر غرور تھا

مسلم لیگ

لیگ کے عظمت و جبروت سے انکار نہیں
 ملک میں غلغلہ ہے شور ہے کہرام بھی ہے،
 ہو گورنمنٹ کی بھی اسیہ عنایت کی نگاہ
 نظرِ لطفِ رسیانِ خوش انجام بھی ہے
 کون ہے جو نہیں اس حلقہ قومی کا اسیر
 ارسیم زراد بھی ہیں رند مے آشام بھی ہے
 فیض ہے اس کا باندازہ طالب یعنی
 بادہ صاف بھی ہے دردِ تیرِ جام بھی ہے
 کعبہ قوم جو کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

مرجع خاص ہے یہ قبلہ گہ عام بھی ہے
 پختہ کاروں کے لئے آلہ تسخیر ہے یہ
 نوجوانوں کو صلائے طمع خام بھی ہے
 رہنمایانِ نوآموز کا ہے مکتبِ درس
 زینۂ فخر و نمائش گری عام بھی ہے
 جن ہمتا میں درکار ہے ایشاں نفوس
 ان میں طرزِ عمل بوسہ و پیغام بھی ہے
 صدمہ مشہد و تبریز سے آنکھیں ہیں پر آب
 دلیں غنچہ ارئی ترکانِ نکو نام بھی ہے
 مختصر اس کے فضائل کوئی پوچھے تو ہیں
 محسن قوم بھی ہے خادمِ حکام بھی ہے
 ربط ہے اس کو گورنمنٹ سے بھی ملک سوسلی
 جس طرح صرف میں اگر قاعدہ اِدغام بھی ہو
 اس کے آفس میں بھی ہر طرح کا سامانِ سودر
 ورقِ سادہ بھی ہو کلبِ خوش اندام بھی ہے

میں قرینے سے سچائی ہوئی میزیں ہر سو
 عجایبِ وقت و ریاضتِ احکام بھی ہے،
 چندی ایسے میں سند یافتہ علم و عمل
 کچھ اسٹنٹ ہیں کچھ حلقہٴ خستہ دام بھی ہے
 ہو جو تعطیل میں تفریحِ سیاحت مقصود
 سفرِ درجہٴ اول کے لئے دام بھی ہے
 یہ تو سب کچھ ہے۔ مگر ایک گزارش ہو حضور!
 گرچہ یہ سودِ ادب بھی ہے اور ابرام بھی ہو
 مجھ سے آہستہ مرے کان میں ارشاد ہو یہ
 "سال بھر حضرت والا کو کوئی کام بھی ہے؟"

مسئلہ الحاق

مجھ کو حیرت تھی کہ تقسیمِ غلامی کے لئے
 وہ نیا کون سا پہلو ہے کہ جو باقی ہے
 پہلے جو بزمِ گہِ خاص تھی اس فن کے لئے

آج جو کچھ ہے اسی درس کی مشاقی ہے
 اُس کے ہوتے ہوئے پھر لیگ کی حاجت کیا تھی
 جب ہی بادۂ گلگوں ہے وہی ساقی ہے
 فیض ہے عالم بالا کا ابھی تک جاری
 استفادہ میں وہی شیوہ اشراقی ہے
 غلطی سے جو نئی چیز سمجھتے ہیں اُسے
 یہ فقط وہم غلط کار کی خستاقی ہے
 شیخ صاحب نے کہا مجھ سے بانداز لطیف
 اس میں اک راز ہے اک نکتہ اشراقی ہے
 یوں تو ہیں جامعہ درس غلامی دونوں،
 فرق یہ ہے کہ وہ محد و دیہ الحاقی ہے

یونیورسٹی اور الحاق

شرط الحاق یہ اصرار اور ایسا اصرار
 شیوہ عقل نہیں بلکہ یہ ہے کج نگہی

در سگا ہیں ہیں کہاں کیجئے جنکا اسحاق
 اور اگر ہیں بھی تو بیکار ہیں یا طبل تہی
 لوگ جس چیز کو کہتے ہیں علی گڑھ کالج
 چشم بینا ہو تو ہے جامعہ قوم یہی
 یہ وہی قبلہ حاجات ہے سوچیں تو ذرا
 یہ وہی کعبہ مقصود ہے دیکھیں تو سہی
 آج جو لوگ ہیں جمعیت قومی پر امام
 جنکا ارشاد ہے ہمپایہ طغرائے شہی
 سب کے سب متفق اللفظی کہتے ہیں
 اِنَّ هَذَا لَهُوَ الْحَقُّ وَاَمَدْتُ بِهِ
 قوم کا دیکھئے بچپن کہ یہ سب سن کر کہا
 جو کھلونا مجھے دکھلایا تھا لونگی تو وہی
یونیورسٹی دیپوشن
 تھی سفارت کی جو تجویز بظاہر موزوں

اہل مجلس بھی بظاہر نظر آتے تھے خاموش
 دفعۃً دائرہ صدر سے اٹھا اک شخص
 جس کی آزادی تقریر تھی غارتگر ہوش
 اس نے اس زور سے تجویز یہ کی رد و قبح
 چونک اٹھے وہ بھی جو بیٹھے ہوئے تھے پنیہوش
 اہل مجلس نے جو بدلا ہوا دیکھا انداز
 ڈر ہوا یہ کہ کہیں اور نہ بڑھ جائے خروش
 صدر محفل نے بلا کر اسے آہستہ کہا،
 کہ تو ہم شامل وفدستی وایں مایہ مجوش
 بادہ جام سفارت نے مرد افکن تھا
 ایک ہی جرعہ میں وہ شیر جری تھا خاموش
 اب نہ وہ طرز سخن تھا نہ وہ آزادی رائے
 نہ وہ ہنگامہ طرازی تھی نہ وہ جوش و خروش
 جس کی تقریر سے گونج اٹھتا تھا اجلاس کا مال
 اب نہ اک پیکر تصویر تھا بالکل خاموش

سخت جبر تھی کہ اک ذرہ خاکستر تھا
وہ شرارہ جو ابھی برق سے تھا دوش بدوش
دیکھتے ہیں تو حرارت کا کہیں نام نہیں
ہو گیا شعلہ سوزندہ پھر طک کر خس پوش
اہل ثروت سے یہ کہہ دو کہ مبارک ہو تمہیں
لہذا الحمد ابھی ملک میں ہیں اے قروش،

مسلم یونیورسٹی

گر خامشی اسے فائدہ اٹھائے حال ہو
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہو
الحاق کی جو شرط نہ مانی جناب نے،
کیا جانے کیا حضور کے دلمیں خیال ہو
مسلم کے لفظ میں تو کوئی بات ہی نہ تھی
کیا اسمیں بھی حضور کو کچھ احتمال ہو؟
اسباب سو رطل کے نئے کچے عیاں ہوئے

یا پہلے ہی سے شیشہ خاطر میں بال ہے؟
 ہم تو ازل سے علقہ بگوشِ نیاز ہیں
 یہ سر ہمیشہ زیرِ قدمِ پائِمال ہے
 ہم نے تو وہ ثنا و صفت کی حضور رکھی،
 جو خاص شیوہٴ صفت ذوالجلال ہے
 آیا کبھی نہ حرفِ تمنا زبان پر
 یا تک تو ہم کو پاس ادب کا خیال ہے
 اُردو کے باب میں جو ذرا اھلگئی زبان
 اب تک حبیبین پر عرقِ انفعال ہے
 دامنِ غمبارِ حقِ طلبی سے رہا ہر پاک
 یہ فیضِ خاص رہبرِ دیرینہ سال ہے
 آیا جو حریت کا کبھی دل میں دھم بھی
 سمجھا دیا کہ جوشِ جنوں کا اُبال ہے،
 اب تک اسی طریق پہ ہیں بندگانِ خاص
 گو صحبتِ عوام میں چمچِ قیاس و قال ہے

گردن جھکی ہوئی ہے زباں گوہر شکوہ سنج
 باطن ہے اتقیا و جو ظاہر ملال ہے
 الحاق سے کچھ اور نہ تھا مدعائے خاص،
 بس اک عموم در س وفا کا خیال ہے،
 یعنی کہ پھیل کر یہ زمانے کو گھیر لے
 اتک جو مختصر یہ علی گڑھ کا جال ہے
 یہ پالی ہے شاہرہ عام قوم کی،
 اس سے کوئی الگ ہے تو وہ خال خال ہے
 پھر بھی حضور کی نہ گئیں سرگرا نیاں
 پھر بھی گت ہر گار مرا یاں بال ہے
 اتنی سی آرزو بھی پذیرا نہ ہو سکی
 اب کیا کہیں کہ اور بھی کچھ عرض حال ہے
 سنتے رہے وہ غور سے یہ داستانِ غم
 جب ختم ہو گئی تو یہ لب پر مقال ہے،
 حد سے اگر بڑھے گا تو ہو جائے گامہ

وہ درگاہِ روئے وفا کا جو خال ہے،

یونیورسٹی

یادوس گو ترقی قومی سے میں نہیں،
 لیکن ابھی تلک تو یہ سودائے خام ہے،
 رائیں متام کج ہیں خیالات سب غلط
 گم کردہ نجات ہر اک خاص و عام ہے،
 یہ تیس لاکھ قوم نے جو کر دے عطا
 بے شبہ غزم و ہمت عالی کا کام ہے
 لیکن یہ گفتگو جو نئی چھڑا گئی ہے اب
 یہ باعثِ تباہی ناموس و نام ہے
 اسحاق کی جو شرط نہ منظور ہو سکی
 اک غلطی ہے شور ہے غوغائے عام ہے
 لبریز ہے تصورِ باطل سے ہر دماغ
 ہر سینہ عرصہ گاہ ہو سہا خام ہے

اب اس طرح سے چلتی ہے اک ایک کی زبیاں
 گویا کہ ذوالفقار علی بے نیام ہے
 دو کوڑیاں بھی جس نے نہ دیں آج تک کبھی
 اُس کی بھی نیند جوش جنوں میں حرام ہے
 اک غلغلہ بپا ہے کہ اسحاق جب نہیں
 پھر کس بنا پہ جامعہ قوم نام ہے
 اسلام کے جو نام سے بھی متشتم نہیں
 اس کو تو دُور ہی سے ہمارا اسلام ہے
 مسلم نہیں تو حبا معہ قوم بھی نہیں
 پھر کیوں یہ شور غلغلہ و اہتمام ہے
 چندے لئے گئے تھے۔ اسی شرط پر تمام
 یہ نفص عہد ہے کہ جو شرعاً حرام ہے
 یہ درنگاہ خاص نہ تھا مدعاے عام
 یہ وہ مستاع ہے نہیں جس کا یہ دام ہے

ان ابلہان قوم کو سمجھائے یہ کوئی،
عالم کے کاروبار کا اک انتظام ہے،
جس کی بنیاد تمام سے تقسیم کار پر
یعنی ہر ایک شخص کا اک خاص کام ہو
عالم میں ہیں ہر اک کے فرائض جدا جدا
یہ مسئلہ مسلمہ خاص و عام ہے،
ہے مقتدی کا فرض فقط امتثال امر
ارشاد و حکم منصب خاص امام ہے
تھا قوم کا جو فرض وہ تھا بس عطاء زر
آگے مقدسین علی گڑھ کا کام ہے،
یہ بارگاہ خاص نہیں محلیس عوام
سمعا و طاعت یہ ادب کا مقام ہے
مخصوص ہیں سنا صوب خاصان بارگاہ
تم کون ہو جو تم کو یہ سودائے خام ہے

یونینورسٹی فونڈیشن

یہ فیض ہے جماعتِ احرار کا ضرور
 اب قوم کو جو شخص پرستی سے عار ہے
 آزادی خیال کا جو کچھ کہ ہے اثر
 یہ سب انھیں کے فیض کا منت گزار ہے
 لیکن یہ دیکھنا ہے کہ یہ غزم یہ ترنگ
 ہے دیر پا کہ جو کش جنون بہار ہے،
 اب کے جو لکھنؤ میں دکھایا گیا سماں
 سچ پوچھئے تو مضحکہ روزگار ہے
 دیکھا یہ پہلے دن کہ ہر اک گوشہ بباط
 میدانِ رزم و عرصہ گیر گیر دار ہے
 غل ہے کہ وہ مقدمۃ الجیش آگیا،
 اب انتظارِ فوجِ یمین دیا رہا ہے،
 احرار کی صفوں کی صفیں ہیں جمی ہوئیں

مجلس تمام عرصہ گہ کارزار ہے
 اینج پر ہر ایک بیچھرتا ہے اس طرح
 گویا حریف رستم و اسفندیار ہے
 ہاتھ اٹھ رہے ہیں یا علم فتح ہے بلند
 چلتی ہوئی زبان ہے یا ذوالفقار ہے
 ہر نوجواں ہے نشہ آزادگی میں مست
 جو ہے وہ حریت کا سر پر خمار ہے
 اصرار کہ رہے ہیں نہ مانیں گے ہم کبھی
 وٹو کا ویسراے کو کیا اختیار ہے
 الحاق اگر نہیں ہے تو سعی ہے عبث
 مسلم کا لفظ خاص ہمارا شعار ہے
 جو والیان ملک کہ تھے زیب انجمن
 سب دم بخود سے تھے کہ یہ کیا خلفشار ہو
 یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں
 لئے وہ عزدش و جوشن وہ گیسردار ہے

ٹوٹی ہوئی صفیں ہیں علم سرنگوں میں ب
 بازوئے تیغ گیر جو تھا رعشہ دار ہے
 "سازش کا ایک جال بچا یا ہے ہر طرف
 ہر شخص اُس کی فکر میں مصروفِ کار ہے
 سرستیاں ہیں موقرِ سجائے راز کی
 ہر شخص حکمتِ عملی کا شکار ہے
 جو بات کل تلک سببِ ننگ و عار تھی،
 وہ آج مایہ شرف و افتخار ہے
 جس بات پر کہ نعرہ نفیر بلند تھے
 اب وہ قبولِ خاطرِ ہر ذی وقار ہے،
 کل کہ چکے ہیں کیا؟ یہ نہیں ایسی کو یاد
 اب نکتہ لائے زیرِ لبی پر مدار ہے،
 خود آپ اپنے ہاتھ سے کھائی ہو گوشت
 کہتے ہیں پھر یہ فتحِ مبیں یادگار ہے،
 حیران تھے عوام کہ کیا ماجرا ہے یہ

یہ کیا دورنگی چمن روزگار ہے،
 ”احرار کا طریق عمل ہے اگر یہی
 پھر کامیابیوں کا عبث انتظار ہو

دعوتِ عمل

بجا ہے آج اگر این بزم میں یہ زیبائیاں ہیں
 یہ انگلی بزم ہے جو یادگار نسل عدناں، میں،
 خلیل اللہ سے مہاں نوازی جنکو پہونچی ہے
 ہزاروں کوس سوا آگے وہ اس گھر میں مہاں ہیں
 فقط اک جذبہ قومی انہیں واں کھینچ لایا ہے،
 جہاں زور حکومت ہو نہ حاجب ہیں نہ دربان ہیں
 ہماری خدمتوں کا وہ اٹھانے آئے ہیں احسان
 کہ اسلامی جماعت پر ہزاروں جن کا احسان ہیں
 ہنسر میں علم ہیں، اخلاق میں مجد اور شرافت میں
 یہی وہ صورتیں ہیں جنہیں ہم تم آج نازاں ہیں،

خدا نے انکو بخشی ہے حکومت اور سطوت بھی
 کہ جسم سلطنت کے یہ جواج اور ارکاں ہیں
 مگر ان کو کسی عزت پہ تازش ہو تو اسپر ہے
 کہ یہ اسلام کے میں نام لیوا اور مسلمان ہیں
 نہ عمر وں کا تفاوت ہے نہ کچھ حفظ مراتب ہے
 یہاں جس سادگی سے یہ شریک بزم خواں ہیں
 معمر بھی ہیں ان میں نوجواں بھی اور کم سن بھی
 مگر نشان اخوت میں مدارج سب کے یکساں ہیں
 یہ وہ ہیں جنہیں ہے اسلام کا اتک اثر باقی،،
 یہ وہ ہیں جن میں جو ہر نسل عدنانی کو رہا ہے
 انہیں کے بازوؤں میں زور تھا کشور ستانی کا
 انہیں کی یادگاریں جا بجا اب تک نمایاں ہیں
 یہ وہ ہیں جان و دل سے جو فدائے قوم ملت ہیں
 یہ وہ ہیں نام پر اسلام کے جو دل سے قرباں ہیں

سہ یہ نظم یا جلد اس مجلے میں ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۱۹۸۳ء پر پیش کی گئی تھی۔

نہ ہو گا ایک بھی دل درد قومی سے جو خالی ہو،
 بظاہر گرچہ سرب مسرور ہیں خرم نشاواں ہیں
 انہیں احساس ہو آئینِ دولت کی تیاہی کا
 یہ واقف ہیں کہ بڑے قوم کو اب غرقِ طغیاں ہیں
 انہیں معلوم ہو جس تاک میں ہو گردشِ گردوں
 انہیں محسوس ہو جس گھات میں آیا م دوراں ہیں
 خبر ہے ان کو جس آزار میں چھوٹا پڑا ہے اب
 یہ واقف ہیں کہ پہلے قوم کیا تھی اور کیا ہوا
 علاج اپنا ہم اب تک تو سمجھتے تھے کہ آساں ہو
 نگروہ دردِ بیکار جس کو ہم سمجھے تھے دریاں ہو
 دوا ہر بار جب اپنا اثر الٹا ہی دکھلائے
 تو بس سمجھو کہ اب بیمار کوئی دم کا ہماں ہے
 جو بیچ پوچھو تو ہے اسلامیوں کی بس یہی حالت
 مرضِ زونا بڑھا دیتی ہو خود وہ شجرِ دوراں ہو
 سلف کا تذکرہ جو ہمت و غیرت کا ہو افسوں

ہمارے حق میں وہ سرمایہ خواب پریشاں ہے
 یہ افسانے بڑھاتے ہیں ہماری فیند کی شدت
 یہ افسوں حق میں اپنے اور مد ہوشی کا ساماں ہے
 ہمیں احساس تک ہو تا نہیں اپنی تباہی کا،
 کہ سب پیش نظر اسلاف کی وہ شوکت و شان ہے
 ہماری کلفتیں سب فور ہو جاتی ہیں پس کر
 کہ "دنیا آج تک اسلام کی ممنون آساں ہے
 فرے لیتے ہیں پہروں تک کسی سوجب یہ سنتو ہیں
 کہ یورپ دولت عباس کا اتک ثنا خواں ہے
 نہیں رہنے کو یاں گھر تک مگر چرچے یہ رہتو ہیں
 کہ اتک فقر حرم اقبیدہ گاہ رہ نور داں ہے
 میں خود ان پڑھ مگر اس زعم میں اترتے پھرتے ہیں
 کہ دنیا میں ہمیں سے زندہ اتک نام یوناں ہے
 نظر آتے ہیں ہم کو عیب اپنے خوابیاں بنکر
 ہم اپنے جہل کو بھی یہ سمجھتے ہیں کہ عرفاں ہیں

بسر ہوتی ہے گراوقات فیاضی پہ غیروں کی
 تو سمجھے ہیں کہ بس زبداور توکل کی پیشانی پر
 حمیت اور خود داری نہیں ہو کر طبیعت میں
 تواچھا ہے کہ مسکینی تو اول شرط ایماں ہے
 طبیعت میں اگر ہیں فتنہ پردازی کے کچھ جو ہر
 تو دعویٰ ہے کہ تدبیر اور سیاست فرض انسان
 وہ قوم اور وہ جماعت جس میں یہ اخلاق محکم ہیں
 بلائیں اُسپہ جو آئیں وہ کم ہیں اور بہت کم ہیں
 یہ جو کچھ سن چکے ہو قوم کی تم حالتِ ابتر
 نہ سمجھو یہ کہ ہے اس داستان کا خاتمہ اس پر
 ہماری سب سے بڑھ کر نصیبی جو ہو وہ یہ ہے
 کہ بے پروا ہیں وہ بھی قوم کے جو آج ہیں لیڈر
 گیا وہ وقت جب تھا بس اسی کا نام ہمدردی
 کہ دو آنسو پہا لیں قوم کی در ماندہ حالت پر
 گیا وہ وقت ہم کو ناصحوں کی جب ضرورت تھی

فلک نے کر دیا اک اک کو آپ اپنا نصیحت گر
 گئے وہ دن کہ ہم محتاج تھے عبرت دلانے کے
 ہمارا حال خود عبرت فرما ہے آج سرتاسر
 ضرورت اب ہو کر ہم کو تو بس ہوان بزرگوں کی
 کہ جنہیں خیر سے کچھ کر دکھانے کی بھی ہوں جو ہر
 فقط باتیں نہ ہوں کچھ کام بھی بن آؤ ہاتھوں سے
 کہیں جو کچھ وہ منہ سے کر دکھائیں اس سے کچھ بڑھ کر
 نہیں گریہ تو بس اک گریہ صحبت کے سماں ہیں
 یہ قومی مرتے یہ رخصت یہ اسپہج یہ لکچر
 طلب اور سعی سے کچھ کام بن آئے تو بن آئے
 فصاحت اور بلاغت کا بس اہلیا نہیں منتر
 تھیں جو کام میں درپیش گو مشکل گو مشکل ہیں
 مگر کرنے پہ آجاؤ تو آساں سے ہیں آساں تر
 ابھی تک تم میں ہوا سلاف کا کچھ کچھ اثر باقی،
 شرر گو کچھ چمکے پر گرم ہے اتنا کہ وہ خاکستر

ابھی کچھ کچھ مہک باقی ہو ان مرجھائے پھولوں میں
 ابھی کچھ کاٹ ہو اس تیغ میں گو مٹ چکے جو ہر
 وہی قیاضیاں تم میں ہیں جو تحقیق معجزات میں
 مگر یہودہ رسموں کے لئے وہ وقف ہیں یک سر
 کچھ اس سے کم ہوا تھا صرف تجھ پر اسامہ میں
 لٹا دیتے ہو تقریبوں میں جتنا تم زور و زور
 فقط آپس کے جھگڑوں میں تم اس سو کام لیتے ہو
 وہ جو دت اور ذمانت جس میں اب بھی تم ہوا اور
 سنبھلنا اب بھی گر چا ہو تو ہے وقت اور فرصت بھی
 وگرنہ پھر نہیں رہنے کی جو کچھ ہے یہ حالت بھی

بر باد می خامان

وہ برادر کہ مر ا یوسف کعبانی تھا
 وہ جو مجموعہ ہر خوبی انسانی تھا

وہ جو گھر بھر کے لئے رحمت نیردانی تھا
 قوتِ دست و دل شبلی نعمانی تھا
 بل اُسی کا یہ مرے خامہ پُر زور میں تھا،
 جوش اُسی کا تھا جو میرے سر پر شور میں تھا
 ہم سے بیکاروں کی اک قوتِ عامل تھا وہی
 مایہ عزتِ اہلِ اہل کا حال تھا وہی،
 مسندِ والدِ مرحوم کے قابل تھا وہی،
 یوں تو سب اور بھی اعضا ہیں مگر دل تھا وہی
 اب وہ مجموعہٴ اخلاق کہاں سے لاؤں
 مائے افسوس میں اسحق کہاں سے لاؤں
 جب کیا والدِ مرحوم نے دنیا سے سفر
 گھر کا گھر تھا ہدفِ ناوکِ عہدِ گو نہ خطر
 بن گیا آپ اکیلا وہ نہرِ آفت میں سپر
 تیر جو آئے گیا آپ وہ اُن کی زد پر
 خود گرفتار رہا۔ تاکہ میں آزاد رہوں

اُس نے غم اس لئے کھائی تھی کہ میں درہوں
اس کا صدقہ تھا کہ ہر طرح سے تھا میں بے غم
گھر کے جھگڑوں سے نہ کچھ فکر نہ کچھ رنج و الم
امن و راحت کے جو سامان تھے ہر طرح بہم
میں تھا اور مشغلہ نامہ و قرطاس و قلم
اُس کے صدقہ سے تھی میری سخن آرائی بھی
اُس کا ممنوں تھا مرا گوشت تنہائی بھی
تازہ بھتا دل یہ مرے مہدی مرحوم کا داغ
کہ مراقبت بازو تھا، مرا چشم و چراغ
اس کو حیت میں جو خالق نے دیا گنج فراغ
میں یہ کہتا تھا کہ اب بھی ہو تروتازہ داغ
یعنی وہ آئینہ خوبی و حُسنِ تو ہے
اٹھ گیا مہدی مرحوم تو اسحق تو ہے
آج افسوس کہ وہ نیرِ تاباں بھی گیب
میری جمعیتِ خاطر کا وہ سماں بھی گیب

اب وہ شیرازہ اور ارق پریشاں بھی گیا
 عقبہ والد مرحوم کا دربان بھی گیا
 نگہ خوبی تقدیر رہا جاتا ہے،
 نوجوان جاتے ہیں اور پیر رہا جاتا ہو
 تجھ کو اے خاکِ محمد آج اجل نے نمونہ
 وہ امانت جو مرے والد مرحوم کی تھی
 بسکہ فطرت میں وداعیت تھی نفارستِ طبعی
 نازیر و ردہ لغمت تھا یہ اس سادہ دہشی
 دیکھنا اڑکے غبار آئے نہ دامن بہ کہیں
 گرد پڑ جائے نہ اس عارضِ غل و غن کہیں
 اس کے اخلاق کھٹک جاتے ہیں دلیں ہر بار
 وہ شکر ریز تبسم وہ متانت وہ وقار
 وہ اوقا کیشی احباب وہ مردانہ شعار
 وہ دل آویز مٹی خو وہ نگہِ الفت بار
 صحبتِ رنج بھی اک لطف ہو کھجاتی تھی

اُس کی ابرو یہ شکن آ کے پلٹ جاتی تھی
 حق نے کی تھی کرم و لطف سے اُس کی تخمیر
 خوبی خلق و تواضع میں نہ تھا اُس کا نظیر
 بات جو کہتا تھا ہوتی تھی وہ پتھر کی لکیر
 اس کی اک ذات تھی مجموعہ اوصافِ کثیر
 بسکہ خوش طبع بھی تھا صاحبِ تدبیر بھی تھا
 سچ تو یہ ہے کہ وہ نوخیز بھی تھا پیر بھی تھا
 اس کو شہرت طلبی سے کبھی کچھ کام نہ تھا
 وہ گرفتارِ کمند ہو بس دام نہ تھا
 اس کی ہر بات میں اک لطف تھا ابرام تھا
 وہ کبھی مدعی رہا ہر مئی عام نہ تھا
 اُس کو مطلوب کبھی گرمی بازار نہ تھی
 اُس کی جو بات تھی کردار تھی گفتار نہ تھی
 اُس کو معلوم جو تھا وسعتِ تعلیم کا راز
 اس نے دیکھے تھے جو منزل کے نشیب و فراز

اس نے یہ کام نئی طرح کیا تھا آغا ز
مگر افسوس کہ تھاراہ میں رخس بگمناز
کوششوں کے جو نتیجے تھے اسے بل نہ سکے
ہائے وہ پھول کہ پھولے تھے، مگر کھل نہ سکے
آہ بھائی ترے مرنیکے تھے یہ بھی کوئی دن؟
وہ ترا جوش شباب اور وہ بچے کمر سن

مسندِ حلقہ احباب ہے سونی، تجھ بن!
تو ہی تھا اب خلفِ صدرِ شینانِ سن
دن جب آئے کہ تجھے رہبرِ جمہور کہوں
بیخ کا مجھ سے تقاضہ ہے کہ مغفور کہوں
یہ بھی اے جانِ برادر کوئی جانیکا ہے طور؟
اپنے بچوں کی نہ کچھ فکر نہ تدبیر نہ غور
ابھی آنے بھی نہ پایا تھا ترے اوج کا دور
کیا ہوا تجھ کو کہ تو ہو گیا کچھ اور سے اور
چھوڑ کر بچوں کو بے صیہ و سکون جاتا ہے

کوئی جاتا ہے جو دنیا سے تو یوں جاتا ہو
 آہ لے مرگ کسی شے کی نہیں تجھ کو متیز
 تیری نظر و نہیں برابر ہیں گہرا و ریشہ
 میں نے مانا ترے نزدیک تھا وہ کوئی چیز
 رحم کرنا تھا کہ چھوڑے ہیں کسی اُس نے عزیز
 لاڈ لے ہیں کہ کسی اور کے بس کے بھی نہیں
 اُس کے بچے ابھی سات آٹھ برس کے بھی نہیں
 اے خدا شبلی و نختہ بایں موئے سفید
 لیکے آیا ہے تری درگاہ عالی میں امید
 مرنے والے کو نجاتِ ابدی کی ہو نوید!
 خوش و خرم رہی یہ چھوٹا مرا بھائی صبیح
 کیا لکھوں قصہ غم تاب رقم بھی تو نہیں
 اب مرے خامہ پر زور میں دم بھی تو نہیں

غزلیات

اثر کنیچھے دل حزیں نے نشان چھوڑا نہ ہر کہیں کا
 گئے ہیں نالے جو سوئے گردوں تو اشک نے رخ کیا میں کا
 بھلی تھی تقدیر یا بُری تھی یہ راز کس طرح سے عیاں ہو
 بتوں کو سجدے کئے ہیں اتنے کہ مٹ گیا سب لکھا جبین کا

وہی لڑکپن کی شوخیاں ہیں وہ اگلی ہی سی شراتیں ہیں
 سیلے ہونگے تو ہاں بھی ہوگی ابھی تو سن نہ نہیں نہیں کا
 یہ نظم آئیں یہ طرز بندش سخنوری ہر فوں گرمی ہو
 کہ ریختہ میں بھی تیرے شبلی مرزہ جو طرز علی حزیں کا

جائے دل سینہ میں پچاں رہ گیا
 چاک اگر تابدا ماں رہ گیا
 چادہ راہ بیاباں رہ گیا
 تیغ کا گردن پہ احساں رہ گیا
 شکوہ بیدا و درباں رہ گیا

تیر قاتل کا یہ احساں رہ گیا
 کی ذرا دست جنوں نے کو تہی
 دو قدم چل کر ترے جتنی کیا تھ
 قتل ہو کر بھی سبکدوشی کہاں
 ہم تو پہونچے بزمِ جانان تک مگر

ہم تو نکلتے اور ارباباں رہ گیا
 جبکہ خود صانع سے پنہاں رہ گیا
 تیر نکلا بھی تو پیکاں رہ گیا
 دیکھ وحشی نیز اعریاں رہ گیا
 میں اجل سو بھی تو پنہاں رہ گیا
 ایک بھی تار گریباں رہ گیا
 اک چراغ زیر داماں رہ گیا
 میں جس کی طرح مالاں رہ گیا
 صورت آئینہ حیراں رہ گیا

کیا قیامت ہو کہ کوئے یار سے
 دوسروں پر کیا کھلے راز دہن
 جذبہ دل کا فزا دیکھو اثر
 جامہ ہستی بھی اب تن نہیں
 ضعف مرے بھی نہیں دیتا جھٹھے
 اے جنوں تجھ کو سمجھ لوں گا اگر
 حسن چمکایا رکا اب آفتاب
 لوگ پہونچے منزل مقصود تک
 بزم میں ہر سادہ تیرے جھٹکے

یاد رکھنا دو کہ اس بزم میں
 آ کے شبلی بھی غرلخواں رہ گیا

رخصت صبر تھی یا ترک شکیبائی تھا
 وہ بھی کیا رات تھی یا اتم تہائی تھا
 ان کو وہاں مشقہ انجمن آرائی تھا
 شب آنکھوں کو مریضی خود آرائی تھا

پوچھتے کیا ہو جو حال شبلیائی تھا
 شب قفس میں غم و بھی بائیں تھا
 میں تو یادیدہ خون نائیش تھی شب بھر
 پارہ ہوا دل غم میں کی طلب تھی پیہم

رحم تو ایک طرف پایہ شناسی دیکھو
 آنکھیں قاتل سہی پر زندہ جو کرنا ہوتا
 خون درود لب و ہسی قدم میں چھاپے
 دشمن جاں تھو ادھر سر میں دھم دھم
 انگلیاں اٹھی تھیں مٹا گئی اسی دھم
 کون اس راہ سے گزرا کہ لہر نش قدم
 خوب وقت آکر نکیر میں جزا دیکھا خدا

فتیس کو ہزار میں مجھوں تجھ صحرائی تنہا
 لب میں ایجان تو اے عجیب مسحائی تنہا
 یاں ہی وصلہ باد یہ پیمائی تنہا
 اور ادھر ایک اکیلا تراشیدائی تنہا
 جسطرح فتنہ میں کافر ترسائی تنہا
 چشم عاشق کی طرح اس کا تماشاں تنہا
 لحد تیرے میں کیا عالم تنہائی تنہا

ہم نے بھی حضرت شبلی کی زیارت کی تھی
 ایں تو ظاہر میں مقدس تنہا پہ شیدائی تنہا

تیس دن کیلئے ترک خود سانی کر لوں
 پھینک دیں گی کوئی پیر نہیں فضل کر لوں
 اسے نکیر میں قیامت پہنچ رکھو پریش
 کچھ تو ہو جا رہے غم بات تیکو جو جگہ
 اور پھر کس کو پسند آئے گا دیرانہ دل
 جو گردوں سے جوہر نے کی کھی فرصت بھی

واغٹا سادہ کو روز وینے لے آؤں
 ورنہ حاسد ہی خاطر سے موت بھی کر لوں
 میں ذرا عمر گزشتہ کی تلافی کر لوں
 تم تنہا ہو تو اجل ہی کو میرا خصی کر لوں
 غم سونا بھی کیا اس گھر کو خوش کر لوں
 امتحانِ دم جاں پر عین سی کر لوں

دل ہی تمنا نہیں سفلوں سے وگرنہ شبلی
خوب گزرتے نکاتوں سے جو یاری کروں

غم کو بھی ساتھ لگا لائی ہے
اب جو تشریف صبا لائی ہے
آخر اس کو چہ سے کیا لائی ہے
یہ شب ہجر مست لائی ہے
اک تماشا سا دکھا لائی ہے
واں سے کیا جانے کیا لائی ہے

کچھ اکیلی نہیں میری قسمت
منتظر دیر سے تھے تم میرے
نگہت نہ لف غبارِ روہ دست
موت بھی روٹھ گئی تھی مجھ سے
مجھ کو لہجہ کے مری آنکھ دہاں
او کو سونے اثر بھی کھفا

شبلی زار سے کہہ دے کوئی
مرد وہ وصل صبا لائی ہے

غم اٹھانے کا بھی باقی نہیں رہا
خواب میں بھی تیرے دشوار ہو آتا ہے
بس کفایت ہو جنوں دامنِ صحرانم کو
خضر نے چشمِ حیوان دکھایا ہم کو
چاہے جس لہجہ میں تھائے رائے نہ چھو ہم کو

نا تو اے عشق نے آخر کیا ایسا ہم کو
ورہِ فرقت سے ترے ضعف ہوا یہ کہو
جوشِ وحشت میں کیا کیا ہو گیا
رہبری کی دھن یار کی جانب خطانے
دل گرا اس کو غدا نہیں فی خط سے

واہ کا اہیدگی جسم کھ گیا کام آئی
بزم میں تھی یہ رقیبوں نے نہ کھیا ہم کو

قالب جسم میں جاں آگئی گو یا شبلی
معجزہ فکر نے اپنی یہ دکھایا ہم کو

یار کو غبت اغیار نہ ہونے پائے
اس میں دیر پر وہ سمجھتے ہیں وہ اپنا ہی گلہ
فتنہ حشر جو آتا تو دے پاؤں نہ
ہائے دل کھولے کچھ کہ نہ سکے سو رہا
چپکے وہ آتے ہیں گشت کو اور بھیا
پھر کہیں جوش میں آجائیں نہ یہ دیر تر
باغ کی سیر کو چلتے تو سویر یا در ہے
جمع کر لیجئے غمزوں کو مگر خوبی نہ م

گل تر کو ہوس خار نہ ہونے پائے
شکوہ چرخ بھی نہ ہار نہ ہونے پائے
بخت خفتہ مرا بیدار نہ ہونے پائے
آبلے ہم سخن خار نہ ہونے پائے
سبز باغ بھی بیدار نہ ہونے پائے
سامنے ایر گہ بار نہ ہونے پائے
سبزہ سیگانہ ہر دو چار نہ ہونے پائے
بسن ہیں تنک ہو کہ بازار نہ ہونے پائے

آپ جاتے تو ہیں اس بزم میں لیکن شبلی
حالت دیکھئے اظہار نہ ہونے پائے

متفرقات

اک شہر میں کہ پایہ تخت قدیم ہے
 پچھلے پہر سے آج عجب شور و شین ہے
 دیوار و در سے تہنیت فتح ہے بلند
 غل ہے کہ آج عیش و راحت ہو چین ہے
 پرچم میں بریقین ہیں علم میں نشان ہیں
 گویا کہ وقت برہمی مشرقین ہے
 مستد نشین ہے تخت حکومت پہ جلوہ گر
 دربار ہے کہ جلوہ گہ زیب و زین ہے
 میں بحساب پر دگیان حریم قدس
 جن کی زبیاں پہ شور ہے نوحہ و بین ہے
 تاکید اُن سے ہے کہ ادب ہو کھڑی ہیں
 یعنی کہ احترام شہی فرغ حسین ہے
 بکھرتا جاتا ہے شیرازہ اوراق اسلامی

چینٹکی تند بادِ کفر کی یہ آندھیاں کبتک
 حریفوں کو گلہ ہے آسماں سے خشک سالی کا
 ہم اپنے خون سے پیچھنے لگی انکی کھتیاں کبتک
 جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو اس شبلی کہاں جائیں
 کہ اب امن و امانِ شام و بخارِ قیصران کبتک
نوحہ انوں کی خطاب

کئے تھے ہم نے بھی کچھ کام جو کچھ ہم سے بن آئے
 یہ قسطہ جب کا ہے باقی تھا جب عہدِ شباب اپنا

اور اب تو سچ یہ ہے جو کچھ امیدیں ہیں ہم میں تم سے
 جواں ہو تم لبِ بامِ آج کا ہے آفتاب اپنا

بکواب رقعہ اکبر الہ آبادی

آج دعوت میں نہ آنے کا مجھے بھی ہو ملال

لیکن اب اب کچھ ایسے ہیں کہ مجبور ہوں میں

آپ کے لطف و کرم کا مجھے انکار نہیں

حلقہ درگوش ہوں ممنون ہوں مشکوٰۃ میں

لیکن اب میں وہ نہیں ہوں کہ پڑا پھرتا تھا
اب تو اللہ کے افضال سے تیمور ہوں میں،
دل کے بہانے کی باتیں ہیں یہ شبلی مہنہ
جیتے جی مردہ ہوں مرحوم ہوں مغفوف ہوں میں

سیرۃ نبوی

مصارف کی طرف سے مطمئن ہوں میں بہر صورت
کہ ابر فیض سلطان جہاں یکم زرافشاں ہے
رہی تالیف و تنقید روایت ہائے تاریخی
تو اس کے واسطے حاضر مراد دل ہو مرکباں ہے
غرض دو ہاتھ ہیں اس کام کے انجام فرماں
کہ جس میں اک فقیر بینوا ہے ایک سلطان ہے

نکات شبلی

بروفات برادر خور و مولوی محمد اسحق وکیل

اک محشر تھا دود و فرسہ در تھا
جو شعر تھا چراغِ شبستانِ حور تھا
آنکھوں میں کیفِ بادۂ ناز و غرور تھا
نورِ دل کے رخِ پیچھے سہاگتِ کائنات تھا
کام چیتے نہیں کچھ قوتِ بازو مجھ کو
ملے انیس کہیں چور گین تو مجھ کو

وہ بھی تھا ایک دن کہ یحیٰی سرکار
زمینی خیال سے لبریز تھا دماغ،
سینہ میں تھا چین کدۂ امید نو
اک ایک برگ تھا ورقِ نو بہارِ حسن
نظر آتا نہیں اب صبر کا پہلو مجھ کو
شہر ویرانہ نظر آتا ہی ہر سو مجھ کو

جب وہ گنجینہٴ امید و منت انداز
ایک بیکار زمانہ میں لایا نہ رما

ما تم ماور و لکیر بھی دیکھا میں نے
دو برادر کو جو اب میر بھی دیکھا میں نے

انتقالِ پدر پیر بھی دیکھا میں نے
صدۂ رحلتِ ہمشیر بھی دیکھا میں نے

یہ نالیش کدۂ باغِ عزیزاں تو نہیں
میر اسینہ سوا ہی یہ چراغِ افغان تو نہیں

شبلی

رباعیاتِ سہم

بہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ڈیڑھ سو کچھ اوپر رباعیوں جو نہایت محنت اور تلاش سے
یاب ہوئی ہیں مع ان کے حالاتِ زندگی کے بڑے اہتمام اور خوبی سے بہ قلم
خوشنظ - سفید - چمکنے - دبیر کاغذ پر چھپ گئی ہیں - تصوف کی لئے ان پر معنی
یوں کی جان ہے - ضخامت ۱۰ صفحہ - سائز چھوٹا نہایت موزوں - فی صفحہ
رباعی لکھی گئی ہے - جلد خوبصورت سنہری بندھوائی گئی ہے - قیمت مجلد ۱۲ روپے

رباعیاتِ اردو

مجموعہ میں میرا سیں - مرزا ادبیر - مولینا حالی اور حضرت اکبر کی چیدہ چیدہ اردو
قصیدیں درج ہیں - یہ اصحاب صنفِ رباعی میں نامور اور استاد ماننے گئے ہیں
رباعیات کا انتخاب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم - اے - پی - ایچ - ڈی
سٹریٹ لانے کیا ہے - یہ انتخاب موجود زمانہ کے مذاق کے موافق ہے -
نفا ایک رباعی لکھی گئی ہے - پاکٹ سائز - خوبصورت جلد کے باوجود قیمت ۱۲ روپے

ملے کا پتہ: بیگز غوث بھٹی لاہور (چوک مٹی)

کلام نیرنگ

دوسرا ایڈیشن

یہ غلام بھیک صاحب نگہ بی ہے انبالہ کا کلام حیران فخرن لاہور میں وقتاً فوقتاً چھپتا رہا ہے۔
ہوا کہ ایک مجموعہ کی صورت میں دفتر فخرن سے شائع ہوا تھا وہ ایڈیشن ختم ہونے پر دوسرے
ایڈیشن کی ضرورت پڑی اس لئے جناب صاحبانہ کو دو موصوف سے بحیثیت مصنف ہونے کی اطلاع
اجازت لیکر اس ایڈیشن مقبول عام تقطیع پر نہایت خوشخط عمدہ سفید اوری فٹش کا
لگا کر چھپا گیا ہے۔ اس دوسرے ایڈیشن میں اور بھی چند ایک تغلیب (جو پہلے ایڈیشن میں
نہیں تھیں) اضافہ ہوئی ہیں۔ نئی بات یہ بھی ہے کہ مصنف کا نوٹ بھی دیا گیا ہے نیز مصنف
کی نظر ثانی ہو کر یہ مجموعہ چھپا ہے۔ قیمت علاوہ محصول ڈاک ۱۰ روپے ہے۔
ملنے کا پتہ مرغوب بکینی لاہور

www.freepdfpost.blogspot.com



PK
2199
S5A17
1920

www.freeripost.blogspot.com